

سلسلہ دارالصفین

نمبر

انقلابِ الامم

یعنی

ڈاکٹر لیجان کی کتاب "قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی" کا خلاصہ

جسکو

مولانا عبد السلام ندوی

سے

اُس کے عربی ترجمہ "سرِ قطور الامم" کے ذریعہ سے اردو میں کیا

پیارے مصنف

معارف کے ایس عظیم گدہ میں چھپکر

دفتر دارالصفین عظیم گدہ سے شائع ہوئی

طبع دوم ۱۹۷۳ء

کتبخانہ دارالامین عظیم گدھ

علامہ شبلی نعمانی

مضامین عالمگیر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات

اور ان کے جوابات، حصہ ۱۲

رسالہ شبلی، مولانا کے مختلف علمی مضامین کا مجموعہ، غیر مجموعہ کلام شبلی اردو، ۱۲

شہنوی صبح امید اردو، ۱۲

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

تفسیر سورہ تحریم، جدید طرز پر عربی میں قرآن مجید کی تفسیر، ۳

تفسیر سورہ قیامہ، ۴

تفسیر سورہ الشمس، ۴

تفسیر سورہ الکافرون، ۴

تفسیر سورہ العصر، ۴

الرای الصیح فی من ہوا الذبیح، عربی میں حضرت

اسماعیل کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل طور پر رد رسالہ، ۱۰

اسباق النخ، سہل طرز پر عربی گرامر اردو، ۵

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان مع تصویر، ۱۲

خرو نامہ منظوم، خاص فارسی زبان میں خال سلیمان

کا ترجمہ، ۴

تحفۃ الاعراب، عربی کی خوب جدید رد و نظم، ۲

دیوان الفیض، ہندوستان کے مایہ ناز استاد ادیب

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اول طبع دوم تقطیع خرد سے، ۱۲

الضاحیہ دوم طبع اول تقطیع کلان سے، ۱۲

الفاروق، حضرت فاروق عظیم کی لائف و طرخت، ۱۲

الغزالی، امام غزالی کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ، ۱۲

سیرۃ النعمان، امام عظیم کے حالات و زندگی فقہ پر تبصرہ، ۱۲

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے حالات اور اس کی سلطنت، ۱۲

دربار اور علمی کارناموں کی تفصیل، ۱۲

شعر اجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت فارسی شبلی کا

آغاز اور قدام کا ذکر و صفات، ۳

ایضاً حصہ دوم، خواجہ فرید الدین عطار سے حافظ اور

ابن سینا تک صفات، ۳۰

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین، صفحات ۳۲

ایضاً حصہ چہارم، صفحات ۳۴

ایضاً حصہ پنجم، اصناف شاعری پر دیوید، ۱۲

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، ہجری زبان کے تمدن

اسلامی پر عربی میں دیوید، ۱۲

سفر نامہ مصر و شام، مطبوعہ مطبع معارف، ۱۲

موازنہ انیس و بیس، میر انیس کی شاعری کے محاسن، ۱۲

فہرست فصول و ابواب

مقدمہ مصنف

از صفحہ تا صفحہ

موجودہ زمانے میں مذہب مساوات اور تاریخ کی روح

۱ - ۶

پہلا باب

قوموں کی نفسی فطرت

۴ - ۱۵

پہلی فصل..... قوموں کی روح

۱۶ - ۲۱

دوسری فصل..... کسی قوم کے اخلاق میں کھانٹک تغیر ہو سکتا ہے

۲۲ - ۳۰

تیسری فصل..... قوموں کے طبقات نفسیہ

۳۱ - ۳۶

چوتھی فصل..... قوموں کے افراد کے درمیان فرق مراتب

۳۷ - ۴۵

پانچویں فصل..... تاریخی قوموں کی پیدائش

دوسرا باب

تمدنی عناصر میں قوموں کے اخلاق کا ظہور

۴۶ - ۵۴

پہلی فصل..... تمدنی عناصر ہر قوم کی خارجی روح کے مظاہر ہیں

۵۵ - ۶۰

دوسری فصل..... مذاہب، سیاسیات، اور زبان میں کیونکر تغیرات پیدا ہوتے ہیں

۶۱ - ۸۹

تیسری فصل..... فنون لطیفہ میں کیونکر تغیر پیدا ہوتا ہے

تیسرا باب

قوموں کی تاریخ پر اس حیثیت سے نظر کہ اُس کا اخذ قوموں کا اخلاق ہے

۹۰ - ۹۵

پہلی فصل..... نظامات سیاسیہ کیونکر ہر قوم کی روح سے پیدا ہوتے ہیں

سوانح مصنف

موسیوی بان

بیسویں صدی کے فرزند ان علم میں یورپ بلکہ کل مہذب دنیا جن لوگوں کی ذات پر ناز کرتی ہے ان میں ایک ڈاکٹر لیبان بھی ہے،

ولادت اور خاندان | برگنڈی اور برٹینی فرانس کے دو مشہور صوبے ہیں، لیبان کا خاندان انہی صوبوں سے تعلق رکھتا ہے، سیف و قلم دو متضاد چیزیں ہیں، اور دنیا میں ایسے خوش قسمت بہت کم ہوئے ہیں جن کے ہاتھ میں یہ دونوں چیزیں نظر آئیں، لیکن لیبان اس حیثیت سے نہایت خوش نصیب ہے کہ اس کے آباؤ اجداد میں یہ دونوں جوہر نظر آتے ہیں،

لیبان مضافات پیرس میں بہ مقام نوثران لے رو، ردو، وغالباً ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوا، تعلیم و تربیت | اور پیرس کے قریب توریس کے مدرسہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر مشرقیوں کا امتحان پاس کیا، عجیب بات ہو کہ لیبان اس وقت جس قدر مشہور ہو، اسی قدر زائد طالب علمی میں گنہگار رہا، اسکا شمار کبھی اسکول کے اچھے طلباء میں نہیں ہوا، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کبھی کورس کی کتابوں میں دل نہیں لگاتا تھا، زائد طالب علمی میں اس کی انتہائی کامیابی صرف یہ تھی کہ پاس ہو جاتا تھا، ورنہ اسکو امتحانات میں اچھے نمبر کبھی نہیں ملے، کالج میں بھی یہی حال رہا، تاہم بائیسیم اس نے طب میں ڈاکٹری (ایم ڈی) کی ڈگری حاصل کی،

سیر و سیاحت | لیبان کی زندگی کی ایک خاص خصوصیت سیاحتی ہے، اس نے، انگلستان، روس

سطح ان حالات کو ہمارے دوست موسوی عبد الماجد بی، اے، نے لیبان کی ایک مختصر سوانح عمری سے جو فرجن میں لکھی

گئی ہو مرتب کیا جو جس کو ہم نے خفیف تغیر کے ساتھ انہی کے الفاظ میں درج کر دیا ہے،

اٹلی، پولینڈ، اور اسپین کی خوب سیاحت کی ہے، مراکو، فلسطین، اور مصر بھی ہو آیا ہے، وہ ایک خاص حیثیت سے ہندوستان کا بھی سفر کر چکا ہے، یعنی خود فریج گورنمنٹ نے اس کو ایک سائنٹفک کمیشن پر ہندوستان بھیجا تھا، اسی سلسلہ میں اس نے نیپال کی بھی سیر کی، اور وہ پہلا فریج شخص تھا جس نے سرزمین نیپال پر قدم رکھا،

لیکن لیبان کے سفر کا مقصد اکثر یورپین سیاحوں کی طرح سیر و تفریح نہیں ہوتا تھا، بلکہ اس نے اپنی طویل سیاحت میں نہایت دقیق علمی تجارب حاصل کئے ہیں، مذہب، تمدن اور آثار قدیمہ کے متعلق نہایت مفید تحقیقاتیں کیں ہیں، قوموں کی نفسیات کا وسیع مطالعہ کیا ہے، نیپال کی سیاحت کے زمانہ میں وہ ان آثار قدیمہ کے نوٹ لے کر فرانس بھیجا تھا، جنکی طرف آج تک کسی نے توجہ نہیں کی تھی، انہی آثار قدیمہ کی شہادت سے اس نے ثابت کیا ہے کہ بودھ مذہب اگرچہ ابتدا میں ہندو مذہب سے بالکل علیحدہ و مختلف ایک مستقل مذہب تھا، لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ ہندو مذہب کے اندر جذب ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصلی ہندو مذہب اور بودھ مذہب دونوں کی خالص تعلیمات فنا ہو گئیں، اور دونوں کی آمیزش اور تاثیر و تاثر سے مذہب کی ایک جدید شکل قائم ہو گئی،

مشرق کے مختلف تمدنوں پر اس نے جو محققانہ کتابیں لکھی ہیں انکی بنیاد زیادہ تر انہی ذاتی مشاہدات پر ہے، خود لیبان کی تصنیفات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نفسیات اور خصائص قومیہ کے مطالعہ کے لئے سفر کو کس قدر ضروری چیز خیال کرتا ہے،

اخلاق و عادات، لیبان کے اخلاق و عادات بالکل حکیمانہ ہیں، اکثر خاموش رہتا ہے، خلوت گزینی اور غور و فکر کا عادی ہے، لوگوں سے زیادہ ملنے جلنے کو سخت ناپسند کرتا ہے، اسلئے بعض لوگ اسکو مغرور اور خود پسند خیال کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ اسکو بحث و استدلال بہت پسند ہے،

بچپن سے ہر بات پر رد و قدح کرنے کا شائق ہو، مزاج میں استقلال، ضد اور سٹھہری کی حد تک پہنچا ہوا،
 طبعاً لیبان کی شکل و شباهت بالکل برگنڈی کے باشندوں کے مشابہ ہے، آنکھیں سیاہ
 بال کالے، اور گھونگر والے ہین، رنگ بھی یورپین لوگوں کے لحاظ سے کسی قدر تاریکی مائل
 قدر از سر گول، پیشانی چوڑی اور اونچی ہو،

شادی | لیبان کو چونکہ سوشل رسم و رواج سے سخت نفرت ہو اس لئے اوس نے شادی نہیں
 کی البتہ اوسکو ایک مشہور مصنفہ سے مدتوں دوستانہ تعلق رہا،

شہرت | عالم مثال کی صورت و اشباح اگرچہ بذات خود آفتاب کی طرح روشن ہیں، لیکن خواص کے
 سوا، عام لوگوں کو نظر نہیں آتین، لیبان کی شہرت اور گناہی کا بھی یہی حال ہو، اعلیٰ ترین
 علمی حلقوں میں اوسکو جو امتیاز حاصل ہو، وہ یورپ بھر میں کسی مصنف کو نصیب نہیں، اوس کی
 متعدد تصانیف کا ترجمہ، انگریزی، روسی، اسپینی، اٹالین، عربی اور اردو میں ترجمہ ہو چکا ہو،
 اور جو درجہ تین اوسکی اکثر تصنیفات کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں، لیکن اس کے ساتھ
 عام مقبولیت کے لحاظ سے تمام یورپ میں کوئی مصنف اوس سے زیادہ گمنام اور خال الذکر
 نہیں، نہ اخبارات میں اوس کا کہیں نام آتا ہو نہ رسالے اوس سے مضامین لیتے ہیں، نہ وہ
 کسی یونیورسٹی کا پروفیسر ہو، یہاں تک کہ اوس کے حالات بھی کہیں نہیں ملتے، انسائیکلو پیڈیا
 برٹانیکا کے آخری ایڈیشن سے زیادہ جامع اور ضخیم کوئی کتاب نہ ہوگی، لیکن ایسی ضخیم کتابیں
 لیبان کا ضمنی اور اتفاقی طور پر بھی کہیں ذکر نہیں آیا ہو،

اس موقع پر جو خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عدم شہرت کے اسباب کیا ہیں؟ اس
 سوال کا تفصیلی جواب تو خود لیبان کی تصنیفات دیکھتی ہیں، اصولاً صرف اس قدر کہہ جا سکتا ہے
 کہ اوس کے نظریات بالکل مجتہدانہ اور اکثر صورتوں میں معاصر علماء بلکہ کل دنیا کے معتقدات

دستات کے خلاف ہوتے ہیں، مثلاً آج کل یورپ میں جمہوریت کی عام گرم بازاری ہو،
 بالخصوص فرانس میں تو اس کے خلاف ایک حرف بھی کہنا کفر ہے، لیکن لیبان اپنی تصنیفات
 میں عموماً جمہوریت کے نقائص کی پردہ درسی کرتا ہے، اور اس کو حکومت کی سب سے
 زیادہ مستبدانہ صورت قرار دیتا ہے، پبلک رائے، اور اجتماعی قوت اس زمانے میں سب سے
 زیادہ موثر چیز ہیں، لیکن لیبان کے نزدیک وہ جنون و سفاہت کا مظہر ہیں، اشتراکیت، مساوات
 حریت اور آزادی موجودہ لٹریچر کے نہایت متداول الفاظ ہیں، اور ان کا اثر انسان کے
 رگ و پے سے متعدی ہو کر آب و ہوا تک میں سرایت کر گیا ہے، لیکن لیبان کے نزدیک اشتراکیت
 تمدن کے زوال کا پیش خیمہ، قوموں کی جدوجہد اور عزم و استقلال کی بیخ کن ہے،
 مساوات خلاف فطرت، اور دور و خشت کی یادگار ہے، آزادی اور حریت جنون کا
 مقدمہ ہے، تمدنی اور اخلاقی حیثیت سے اگرچہ وہ مذہب کے اثر کا مستتر ہے، لیکن
 اعتقاداً اس کو توہمات و خرافات کا مجموعہ سمجھتا ہے، تاریخ سب سے زیادہ مستند چیز سمجھی
 جاتی ہے، لیکن وہ اس کو تقویم کھن و افسانہ پارینہ خیال کرتا ہے، ایسی حالت میں اس کو پبلک سے
 قدر دانی کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ اس کی عدم مقبولیت کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے
 کہ اس زمانے میں شہرت کا زیادہ تر دار مدار، نمائشی اعزازات و خطابات پر ہے اور
 لیبان اس شہرت سے بالکل بے بہرہ ہے، وہ بالکل ایک خود ساختہ آدمی ہے، کسی یونیورسٹی
 یا کالج کا پروردہ نہیں، اس نے کسی یونیورسٹی سے ڈگری نہیں حاصل کی، اس بنا پر
 اس زمانے کے ذرائع شہرت سے بالکل محروم ہے،

تصنیفات | تفرق مضامین کے علاوہ لیبان کی مستقل تصنیفات حسب ذیل ہیں،

(۱) سفرنامہ کوہ قہر اس

- (۲) سفرنامہ نیپال
- (۳) سوسائٹی کا ارتقاء
- (۴) مشرق کے ابتدائی تمدن یہ مفسر شام، اور یہودیوں کے تمدن کی تاریخ ہے
- (۵) آثار قدیمہ
- (۶) نفسیات اشتراکیت
- (۷) نفسیات تعلیم
- (۸) نفسیات انقلاب فرانس
- (۹) تنباکو کے کیمیائی اجزاء
- (۱۰) احمیات علم افعال الاعضاء پر ہے
- (۱۱) ارتقاء مادہ طبعیات پر محققانہ کتاب ہے
- (۱۲) ارتقاء قوت
- (۱۳) فن شہسواری کے سائنٹفک اصول و تجربات
- (۱۴) فن فوٹو گرافی پر سائنٹفک رسالہ
- (۱۵) مجموعہ مضامین متعلق طبعیات
- (۱۶) نفسیات اجتماع
- اس کا ترجمہ احمد فتحی زرغلول پاشا نے عربی میں کر دیا ہے اور وہ مصر میں چھپ گیا ہے جس کا عربی نام صحیح الاجتماع ہے۔ اردو ترجمہ لکھنؤ
- مولوی سید علی بگڑی مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کر دیا ہے
- (۱۷) تمدن ہند
- (۱۸) تمدن عرب
- ایضاً

(۹) ارتقاء اقوام کے قوانین نفسی،

یہی اخیر کتاب ہے جس کا ترجمہ مصر کے مشہور مترجم
احمد فتحی ز غلول پاشا نے عربی زبان میں
”سرطور الامم“ کے نام سے کیا ہے، اور
ہم اسی عربی ترجمہ کو اردو کے قالب میں
ڈھال کر ناظرین کے سامنے پیش کرنے
کی عزت حاصل کر رہے ہیں،

عبد السلام ندوی
دار المصنفین، اعظم گڑھ

مقدمہ

از

مترجم

فلسفہ عروج و زوال اقوام

اسلام و علمائے اسلام

علم و مذہب، تہذیب و تمدن، ملک و سلطنت، ہر مذہب قوم کا سرمایہ حیات ہیں، اور انہیں چیزوں کی ترکیب و امتزاج سے ہر قوم کا تاریخی مواد تیار ہوتا ہے، اس بنا پر ہر تمدن قوم اپنا تاریخی سرمایہ اپنے ساتھ لاتی ہے، اور اپنے وجود کے ساتھ ساتھ اس کو محفوظ رکھتی ہے، وہ ان مواد کی تیاری اور کھجنگی میں کسی موثر کی ممنون احسان نہیں ہوتی، بلکہ خود موثر اس قوم کا گراں بار منت ہوتا ہے، البتہ اس مواد کی، موزون ترتیب اس کا مکمل نظام، اور اس کے ابتدائی اور انتہائی سلسلوں میں توفیق و تطبیق، غرض اس کے تمام ارتقائی مدارج کی تفصیل و توضیح، ایک موثر کا کام ہے، اور اس حیثیت سے تاریخ کی نہایت سادہ، مختصر، عام فہم اور جامع تعریف مجموعہ ارتقاء اقوام کی ترکیب اضافی کے ساتھ کی جاسکتی ہے، جو لیبان کی کتاب کے نام کا پہلا جزو ہے، لیکن یہ جزو اس کتاب کی ایک جنس مشترک ہے جو تاریخ کی ہر کتاب پر صادق آسکتی ہے، کتاب کی فصل میسر جو اس کو تمام تاریخی کتابوں سے ممتاز کرتی ہے اس کا دوسرا جزو یعنی ارتقاء اقوام کے قوانین نفسی ہے، اور انہی قوانین کی تفصیل اس کتاب کا موضوع اور لیبان کا اصلی کارنامہ ہے،

جدید علمی دور میں جن علوم و فنون نے ترقی کی ہے، ان میں علم النفس (سائیکالوجی)

سب سے زیادہ دلچسپ اور اپنے موضوع کے لحاظ سے اعلیٰ و اشرف ہے، لیکن بظاہر ہر کج جو علم علمی

ترتیب و تقسیم کے لحاظ سے فلسفہ اکیات کے سلسلہ میں داخل ہو وہ صرف اعلیٰ اور دسجسپ ہی ہو سکتا ہو، اوس سے عام طور پر کوئی علمی کام نہیں لیا جاسکتا، اس بنا پر یورپ کی عالمگیر قوت تخریر نے بھی اس دسجسپ علم کو ہمیشہ اپنے دائرہ عمل سے باہر رکھا لیکن لیبان پہلا شخص ہو جس نے اوس سے اجتماعی، تمدنی، تعلیمی، اور تاریخی مباحث میں کام لیا، اور اس تجربی کے ساتھ لیا کہ ان مباحث نے ایک جدید فلسفیانہ قالب اختیار کر لیا چنانچہ اوکی تصنیفات کی طویل فہرست میں نفسیات، اجتماع، نفسیات اشتراکیت، نفسیات انقلاب، فرانس، نفسیات تعلیم، سرطور الامم، اوکے کانن، زرین کو نہایت آب و رنگ کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہیں، لیکن اس موقع پر خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس رنگ کی جھلک اور بھی کہیں نظر آ سکتی ہو؟ یا صرف لیبان ہی اوس کا موجد ہو؟ ہم کو خود کچھ نہیں معلوم، لیکن علماء یورپ میں جن لوگوں نے اس عقدہ کو حل کیا، اون میں لیبان نے صرف دو شخصوں کا نام لیا ہو چنانچہ ایک موقع پر لکھتا ہو،

”علم النفس کے علمائے اپنی تحقیقات کو صرف عقلی مسائل تک محدود کر دیا ہے اور اخلاقی مباحث کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں، میری دانت میں صرف موسیو پوٹھان رسالہ اخلاق میں اخلاق کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بتایا ہے کہ صرف اخلاق ہی قوموں کے مزاج عقلی کو پیدا کر سکتا ہے، ایک اور عالم موسیو ریچر نے بھی چند اوراق میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے، وہ کہتا ہے کہ عقلی انقلابات میں ذہانت دوسرے درجہ کا انقلاب ہے، اصلی سنگ بنیاد صرف اخلاق ہے، جب عقل غیر معمولی نشو و نما حاصل کر لیتی ہے تو اکثر اخلاق کو فنا کر دیتی ہو، اس بنا پر نفسی قوموں کی بحث اور اون کے باہمی مقابلہ میں ہمیشہ اخلاق کو پیش نظر رکھنا چاہیے کیونکہ علم الاخلاق کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، وہ ہر قوم کی تاریخ کا ماخذ ہے،

اُس سے ہر قوم کے مدبرین کو راہ ہدایت ملتی ہو، اور اگر یہ شکل نہ ہوتی کہ وہ کارخانوں میں اور کتابوں کے اوراق میں نہیں ملتا بلکہ اُس کی تحقیق کے لئے دفتر کے دفتر اور لٹے پڑتے ہیں اور فلفل قوموں کے حالات سے واقفیت حاصل کرنی پڑتی ہے، تو حقیقت یہ نہایت عجیب بات ہوتی کہ علما نے آج تک اس فن کو مدون نہیں کیا اور ہم کو علم النفس کے مصنفین جدید میں کوئی شخص ایسا نہیں ملتا جس نے اس کی مزاولت کی ہو کیونکہ اب وہ تمام مباحث کو چھوڑ کر صرف علم تشریح اور فزالوجی کی طرف زیادہ مائل نظر آتے ہیں۔

اس بنا پر اگر موسیو پولمان اور موسیو ریو کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس گروہ میں صرف لیبان پہلا شخص ہے جس نے اس کمی کو پورا کیا، اوس نے تمام دنیا کی قوموں کے نظام اخلاق کا مطالعہ کیا، ان کے تاریخ و تمدن پر نگاہ ڈالی، ان دونوں میں سلسلہ و علل و اسباب قائم کیا اور تمام تاریخی مظاہر، یعنی حکومت، سیاست، تمدن، مذہب اور سرپر و غیرہ کو اسی نظام اخلاق کا پر تو قرار دیا، اور اس طرح ایک جدید فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی، لیکن حقیقت صرف لیبان ہی اس فلسفہ تاریخی کا موجد قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ اسلام اور علماء اسلام نے مدتوں پہلے اس حقیقت کے چہرے کو بے نقاب کر دیا تھا لیبان نے اس کتاب میں اگرچہ متعدد ابواب اور متعدد فصلوں میں اس موضوع پر بحث کی، لیکن تمام مباحث کی بنیاد صرف دو مقدمات پر قائم ہے،

(۱) ہر قوم کا ایک مزاج عقلی ہوتا ہے، یعنی ہر قوم میں چند اخلاقی اوصاف پائے جاتے ہیں جو اسی کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں،

(۲) ان اخلاقی اوصاف میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا،

ان دونوں مقدمات کو اوس نے ابتدا کی دو فصلوں میں ثابت کیا ہے، اس کے بعد جو مباحث

ہیں، وہ انہی مقدمات کے نتائج میں یعنی بعد کی فصلوں میں صرف یہ دکھایا ہے، کہ تمام تمدنی مظاہر کو انہی غیر مبتذل اخلاقی اوصاف نے پیدا کیا ہے، اسلئے جب کبھی اول میں کسی قسم کا انقلاب ہوا ہے، تو تمدنی تاریخ کی بنیاد و فتنہ متزلزل ہو گئی ہے،

لیبان نے اس کتاب میں ان مباحث کو جس خوبی کے ساتھ لکھا ہے وہ اس کا خاص حصہ ہے لیکن قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں بھی ہم کو ان اصول کا سراغ مل سکتا ہے کیونکہ قوموں کے عروج و زوال پر ادیت سے زیادہ روحانیت کا اثر پڑتا ہے، بلکہ ڈاکٹر لیبان کی تحقیق کے موافق صرف نظام اخلاق ہی ایک ایسی چیز ہے جو ہر قسم کا تاریخی انقلاب پیدا کر سکتا ہے، اسلئے قرآن مجید میں اقوام قدیمہ کے تاریخی انقلابات و تغیرات کا جہان ذکر آیا ہے اس کی علت صرف اخلاق اور روحانیت کو

قرار دیا گیا ہے اور اس بنا پر قرآن مجید میں اون مباحث کے متعلق اجمالی اشارات مل سکتے ہیں، جن کو لیبان نے ایک مستقل تاریخی مسئلہ بنا دیا ہے، لیبان کا اساسی اصول یہ ہے کہ ہر قوم کی ایک خاص فطرت، ہر گروہ کا ایک خاص نظام اخلاق اور ہر فرقہ کا ایک خاص مزاج عقلی ہوتا ہے، اور انھیں کے ذریعہ سے اس میں تمام قومی، تمدنی اور سیاسی انقلابات پیدا ہوتے ہیں، دو قوموں میں اسی وقت امتزاج ہوتا ہے، جب اون کے نظام اخلاق میں اتحاد ہو، فنون لطیفہ کے تمام انواع میں ہر قوم اسی کو انتخاب کرتی ہو جو اس کے مزاج عقلی کے موافق ہو، ہر قوم اسی قسم کا نظام حکومت قائم کرتی ہے، جو اس کی فطرت انسانی کے مطابق ہو، غرض دنیا کا ذرہ ذرہ اخلاقی خصوصیات کا آئینہ ہے، لیبان نے ان مباحث کو جس تفصیل کے ساتھ لکھا ہے وہ قرآن و حدیث کے موضوع بحث سے خارج ہیں، تاہم ان تمام چیزوں کا اصول

اولین قرآن مجید میں تصریح موجود ہے کہ حَرْبٌ بَيْنَكَ وَلِيَهُمْ فَرِحُوا، ترجمہ ہر جماعت جو کچھ
اوس کے پاس ہو اوس پر خوش ہے یعنی لوگ اپنے مخصوص جذبات، خیالات، اور عقائد میں
خوش ہیں، احادیث نے اس اصول کو اور بھی زیادہ صاف اور منقح کر دیا ہے،

وَالنَّاسُ مَعَادِنٌ كَعَادِنِ الْفَضَّةِ چاندی اور سونے کی کانوں کی طرح انسانوں کی بھی کانیں
والذہب خیارہم فی الجاہلیۃ ہوتی ہیں، جو زمانہ جاہلیت میں اچھے تھے وہ زمانہ اسلام
خیارہم فی الاسلام اذا فقهوا میں بھی اچھے ہیں، بشرطیکہ علم حاصل کریں، زوجوں
والادواج جنود مجندۃ فیہا کی ایک مرتب زوج ہے، اون میں جو باہم مناسبت
تعاود منها اختلفت و ما رکھتی ہیں، وہ مل جاتی ہیں، اور جن میں یہ مناسبت
تناکر منها اختلفت، نہیں ہوتی وہ الگ ہو جاتی ہیں،

لیبان نے پہلے باب کی پانچویں فصل میں، قوموں کے اختلاف کے جو اصول بتائے
ہیں اون میں ایک یہ ہے،

(۱) دونوں قوموں کے نظام اخلاق میں بہت زیادہ اختلاف نہ ہو،
حدیث کے آخری ٹکڑے میں یہ اصول بہ تصریح مذکور ہے، لیبان کا دوسرا اصول
یہ ہے کہ ہر قوم کی مخصوص فطرت، مخصوص نظام اخلاق اور مخصوص مزاج عقلی میں عموماً
کسی قسم کا تغیر نہیں ہوتا، صورت اون کی صورت بدلتی رہتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر قوم کے
مظاہر اخلاق میں بھی کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی، لیکن اگر کبھی اس میں تغیر واقع
ہو جاتا ہے تو قوم کا تمام نظام عمل و فتنہ درہم برہم ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں اگرچہ
یہ اصول بہ تصریح موجود نہیں ہے،

لیکن لیبان نے اس اصول کی بنا پر جو نتیجہ نکالا ہے وہ قرآن مجید میں بوضوح مذکور ہے،

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ

فَمَا تَزِدُّهُمْ بِهِ مِنْ نَفْسٍ

حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ

جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے،

یہ غیر تغیر اخلاقی خصوصیات جن اسباب کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں وہ لیبان کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں،

(۱) آبار و اجداد یعنی گزشتہ سلسلہ خاندان کا اثر،

(۲) مان باپ کا اثر

(۳) ملک جغرافیہ حدود، آب و ہوا اور گرد و پیش کی چیزوں کا اثر،

ان اسباب میں تیسرا سبب مادی اور بقیہ اسباب روحانی ہیں، مادہ پرست لوگوں نے اگرچہ اسی تیسرے سبب کو نہایت اہمیت دی ہے، لیکن لیبان کے نزدیک

وہ نہایت معمولی درجہ کی چیز ہے، اوس کے نزدیک نظام اخلاق کا اصل مکون

آبار و اجداد کا اثر ہے، اس کے بعد نوع انسانی پر مان باپ کا اثر پڑتا ہے، مادہ

اور مادہ کے خواص و آثار چونکہ قرآن مجید کے دائرہ بحث سے خارج تھے، اسلئے

اوس نے تیسرے سبب کو بالکل نظر انداز کر دیا، اور آج بیسویں صدی میں لیبان کی

تحقیق بتاتی ہے کہ وہ نظر انداز کرنے کے قابل بھی تھا، لیکن اصلی سبب یعنی آبار و اجداد

کے اثر کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے،

قَالُوا اٰبِلٌ وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا كَذٰلِكَ

يَفْعَلُوْنَ قَالُوْا اَحْسِبْنٰ مَا جَدْنَا

عَلَيْهِ اٰبَاءَ نَحْنُ قَالُوْا اٰبِلٌ نَّتَّبِعِ مَا جَدْنَا

عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا،

وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آبار و اجداد کو ایسا ہی کرتے پایا

وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آبار و اجداد کو کونش پر پایا وہ ہم کو ایسا ہی کرتے پایا

وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آبار و اجداد کو جس روش پر

پایا ہم اوس کی تقلید کرتے ہیں،

آباد و اجداد کے اس موروثی اثر کے نظائر اگرچہ ہر قوم کے جذبات، خیالات، اور رسوم و عقائد ہوتے ہیں، اور لیبان کے نزدیک انہی کی مجموعی ترکیب سے ہر قوم کا مزاج عقلی پیدا ہوتا ہے، لیکن ان میں قومی روح کا سب سے زیادہ نمایاں منظر رسم و رواج ہے، قرآن مجید نے جس راجح و اختصار کے ساتھ ”آبائی روش“ کا ذکر کیا ہے اس میں اگرچہ رسم و رواج بھی داخل ہے، لیکن شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا ذکر نہایت تفصیل کے ساتھ کیا ہے، اور اس کو ہر قوم، ہر تمدن، اور ہر مذہب کا نہایت ضروری عنصر قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں،

”یقین کر دو کہ رسم و رواج کو تمدن سے وہی نسبت جو قلب کو انسان کے جسم سے، اسلئے شریعت کا سب سے پہلا مقصد ہی ہو، اور شریعت الہیہ میں اسی سے بحث ہوتی ہے، اگر انسان سے پوچھا جائے کہ وہ ان رسم و رواج کا کیوں پابند ہے، تو اس کے سوا وہ اس کا کچھ جواب نہ دے سکے گا کہ اس نے اس میں اپنی قوم کی تقلید کی ہے،“

لیبان نے ایک خاص فصل میں تمدنی اصول کے اثر پر بحث کی ہے، اس میں ایک موقع پر لکھتا ہے،

”قومی روح پر ان اصول کا حقیقی اثر اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک بتدیج ان کا غیر نچتہ نہ ہو جائے اور عالم عقل کی بندی سے اتر کر وہ انسان کے غیر شاعرانہ مرکز عمل میں نہ آجائے۔“

انسان کا غیر شاعرانہ مرکز عمل وہ ہے، جس میں وہ ایک اصول کو تسلیم کرتا ہے لیکن اگر اس سے اس کے علل و اسباب کا سوال کیا جائے تو وہ اس کی کوئی توجیہ

تفصیل نہیں کر سکتا، شاہ صاحب نے اخیر فقرے میں رسم و رواج کے اسی غیر شاعرانہ اثر کی طرف اشارہ کیا ہے،

لیکن احادیث میں اخیر کے دونوں سبب یعنی مان باپ، اور جغرافیہ حدود اور آب و ہوا کے اثر کا ذکر بھی بہ تصریح موجود ہے،

کل ممالک دیال علی الفطرۃ فابوا کا ہر پچھڑا ایک ہی نظرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے
یہنادانہ وینصرانہ ویجسانہ باپ ان او سکوبودی نصرانی اور مجوسی بتاتے ہیں

ان اللہ خلق آدم من قبضۃ قبضہ خدا نے دنیا کے ہر حصے سے خاک کی ایک چٹکی لی
من جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قداد اور اس سے آدم کو پیدا کیا، اسلئے بنی آدم بھی زمین کے مختلف

الارض فجاء منهم الاحمر والابيض سے مختلف رنگ اور مختلف اخلاق کے پیدا ہوئے
والاسود و بین ذلک والسهل بعض سنخ، بعض سفید، بعض سیاہ بعض متوسط بعض

والحزن والحنیث والطیب (ترمذی ص ۴۸۲) نرم، بعض سخت، بعض بُرے بعض بھلے،

حدیث میں اس سے زیادہ تفصیل منصب نبوت کے خلاف ہے، لیکن علامہ
ابن خلدون نے آب و ہوا کے اثر پر ایک مستقل فصل میں بحث کی ہے چنانچہ اسکا

خلاصہ حسب ذیل ہے،

”جنشیون کی اخلاقی خصوصیت خفیت الحکمتی، غصہ، مسرت، اور طاقت ہے، اس کا اصلی
سبب جیسا کہ فلسفہ کی کتابوں میں ثابت ہو چکا ہے، بے کوشی اور مسرت روح حیوانی
کے انتشار و انبساط کا اور رنج و غم اس کے انقباض و تکاثف کا نام ہے
فلسفہ کی کتابوں میں یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ حرارت سے ہوا اور بخارات میں رقت
پیدا ہو جاتی ہے اور اسلئے اسکی مقدار میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مست

آدمی مسرت کا زیادہ احساس کرتا ہے کیونکہ شراب کی حدت اوس کی روح کے
بخارات کو زیادہ سیال بنا دیتی ہے، اس اصول کی بنا پر جیسی چونکہ گرم ملک کے
باشندے ہیں، اور اون کے مزاج پر حرارت کا غلبہ ہو گیا ہے، اسلئے اون کی روح میں
بھی اسی نسبت سے حرارت موجود ہے، اور یہی اون کی خوشی و مسرت، اور غیظ و غضب کا
سبب ہے، چونکہ ساحلی مقامات کی ہوا بھی زیادہ گرم ہوتی ہے اسلئے ساحلی ممالک کے
باشندوں کا حال بھی قریب قریب جیشیوں کے مشابہ ہے، جزائر کے رہنے والوں کی
بھی یہی کیفیت ہے، مصر بھی چونکہ جزائر کی ممالک کے قریب واقع ہے اسلئے مصریوں میں بھی
خفیف اکثریتی، مسرت، اور انجام کار سے اس قدر بے اعتنائی پائی جاتی ہے کہ وہ لوگ گھر میں
ایک سال اور ایک ماہ کی خوراک بھی نہیں رکھتے، بلکہ عموماً بازاروں میں کھاتے ہیں،

اس کے بالکل برعکس، بلاد مغرب میں چونکہ فاس کے باشندے سرد پہاڑوں کے دہن
میں رہتے ہیں، اس لئے غم زدہ لوگوں کی طرح اونکی گردنیں جھکی رہتی ہیں، اور وہ اس قدر
عاقبت اندیش ہوتے ہیں کہ اون میں ہر شخص دو سال کی خوراک اپنے گھر میں مہیا
رکھتا ہے اور صبح تڑکے اپنی روزی پیدا کرنے کے لئے اوٹھ کھڑا ہوتا ہے تاکہ
سرایہ محفوظ میں کمی نہ آنے پائے،

کتاب کا عموماً صرف یہی دو اصول، اور یہی دو فصلیں ہیں بقیہ مباحث انہی کے
جزئیات و فروع ہیں جن میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کا تمدن، اور
اعلیٰ درجہ کی تمدن قومیں کیونکر فنا ہو جاتی ہیں، لیکن انہی نے کتاب کے آخری باب
اور آخری فصل میں اسی مسئلہ پر بحث کی ہے، اور اس کا جو سبب بتایا ہے،

اوسکا خلاصہ یہ ہے کہ تمدن خود تمدن کا دشمن ہے، چنانچہ اوس کے الفاظ حسبِ میل ہیں،

جب کوئی قوم تہذیب و تمدن کے زور سے آراستہ، اور نفوذ و قوت کے ہتھیار سے
سج ہو جاتی ہے اور اوسکو ہمسایہ قوم کے حملے کا خطرہ نہیں رہتا تو وہ نہایت عیش و طرب کے
ساتھ جو دولت کا لازمی نتیجہ ہے زندگی بسر کرنے لگتی ہے، اسلئے اوس کے تمام فوجی محاسن
بر باد ہو جاتے ہیں، تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ اوس کی ضروریات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے،
ہر شخص کے دل میں خود غرضی اپنا قدم جالیتی ہے اور اوسکا طمع نظر صرف یہ ہوتا ہے،
کہ جمال و دولت اوس کے ہاتھ آئے اوس سے نہایت سرعت کے ساتھ ذاتی فائدہ
اٹھائے، اس بنا پر تمام قوم عام مصالح سے اعراض کرنے لگتی ہے، اور قوم کے
وہ تمام اخلاقی محاسن فنا ہو جاتے ہیں، جو اوس کی عظمت کا حقیقی سبب تھے، اب
اوس پر قرب و جوار کی وحشی یا نیم وحشی قوموں کا حملہ شروع ہو جاتا ہے،
روم، اور ایران کی سلطنتوں کا یہی حشر ہوا، اوس کا نظام حکومت اگرچہ
نہایت مستحکم تھا، تاہم برابرہ نے روم کا خاتمہ کر دیا اور عربوں نے ایران کے
پرچے اڑا دیئے۔

قرآن مجید میں قوموں کی ہلاکت و بربادی کا جو ذکر بار بار آیا ہے اوس کے

سلسلہ میں اگرچہ یہ اصول اجمالاً مذکور ہے،

وَإِذَا الدُّنْيَا نَفْثَتْ فِتْنَةً
أَمْرًا نَامَتْ فَخَبَسُوا
فِيهَا فَنَحَّيْنَا عَنْهَا الْقُلُوبَ فَذَمُّنَاهَا
تَدْمِيرًا

جب ہم کسی آبادی کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اوس کے دو تہذیب و تمدن کی
قد اور دولت میں اضافہ کرتے ہیں، اسلئے وہ فتنے و فوجیں بتلا
ہو جاتے ہیں، اور اسد بہرہ جارا قاتل و غیری منطرب رہ جاتا ہے
ہم اوسکو تباہ کر دیتے ہیں،

لیکن علامہ ابن خلدون سنہ ۷۸۳ آیت کو اصل قرار دیکر زوال تمدن پر جو جامع اور مفصل فلسفیانہ مضمون لکھا ہے وہ لیبان کے نظریہ پر حرف بہ حرف منطبق ہے، چنانچہ اوسکا خلاصہ حسب ذیل ہے،

”ہر شخص کی ایک انتہائی عمر ہوتی ہے، انسان کے نشوونما کا زمانہ چالیس سال تک رہتا ہے، اس کے بعد کچھ دنوں تک نشوونما کر جاتی ہے، پھر انحطاط کا زمانہ شروع ہوجاتا ہے تمدن کا بھی یہی حال ہے، جب شہری لوگوں کو دولت و ثروت مل جاتی ہے تو وہ فطرۃً اون کو تمدنی ساز و سامان کی طرف مائل کر دیتی ہے، اسلئے اونکے کھانے پینے، رہنے سہنے، پہننے، اور سنے کی تمام چیزوں میں، رنگینی، اور عجوبگی پیدا ہوجاتی ہے، اور جب رنگین مزاجی اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے تو انسان شہوانی خواہشوں کا غلام ہو کر دین و دنیا دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس وقت لوگوں کے مصارف میں اضافہ ہوجاتا ہے اور چونکہ سلطنت کے عین شباب کے زمانے میں تمدن اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ جاتا ہے، اور ہر سلطنت میں ٹیکس لگانے کا یہی زمانہ ہوتا ہے کیونکہ اس وقت سلطنت کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں، اور ٹیکس کا تاثر بار تجارت پر پڑتا ہے، کیونکہ تجارت پیشہ لوگ جو کچھ صرف کرتے ہیں، اوس کو اسباب تجارت ہی سے وصول کرتے ہیں اسلئے ٹیکس اشیاء کی اصل قیمت کا جزو ہوجاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمدن لوگوں کے اخراجات بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں اور اون کی تمام آمدنی انہی مصارف میں صرف ہوجاتی ہے، اور وہ مفلس، اور محتاج ہوجاتے ہیں،

۱۔ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۹۰۰ میں مضمون بہت بڑا ہے جسے ابتدا کی چند سطروں کا خلاصہ کر دیا ہے،

شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ الہدٰی بالذمہ میں جہان تاسیس شریعت اسلامیہ پر بحث کی ہے،
اس مسئلہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور روم و ایران کی بربادی کی یہی وجہ بتائی ہے
لیکن اس مسئلہ سے لازمی طور پر ایک دوسرا تمدنی مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے کہ جب کوئی قوم
فنا ہوتی ہے، تو اس کے ساتھ ہی ایک دوسری قوم اس کی جانشین بھی ہو جاتی ہے
چنانچہ لیبان نے اس مسئلہ کی طرف ان الفاظ میں ضمناً اشارہ کیا ہے،

”اب اوس پر قرب و جوار کی وحشی یا نیم وحشی قوموں کا حملہ شروع ہو جاتا ہے اور وہ اسکی
تمدنی بنیاد کو ڈھکراؤ کے گھنڈر پر دوسرے تمدن کی عمارت قائم کرتی ہیں،“

قرآن مجید میں بھی جہان کہیں قوموں کے عروج و زوال کا ذکر آیا ہے، اوس سے
ثابت ہوتا ہے، کہ ایک قوم کے فنا ہونے کے ساتھ ہی دوسری قوم منصوبہ وجود پر جلوہ گر
ہو جاتی ہے،

اَلَا تَتَذَكَّرُوْا بِمَا عِندَ اَبَا اِلْمَیْہَا
وَلِیَسْتَبْدِلَ قَوْمًا غَیْرَہُمْ وَلَا تَضْرِبَ شَیْئًا
فَاھلُکُمْھُمْ بِنَافِیْہُمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِہُمْ
قَرْنًا اٰخَرِیْنَ،

اگر تم لوگ بھلا کیلئے نہ لکھ کر دیئے ہوئے قضاے کو سخت عذاب کا دار
تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دیگا، اور اس کو تم کو نقصان پہنچا سکے گا
ہم نے اون کے گناہوں کے باعث اُن کو ہلاک کر دیا اور اُن کے
بعد دوسرے لوگوں کو پیدا کیا،

فَاَنْ تَوَلَّیْہَا فَعَدَّ اِبْلَیْکُمْ مَا اَدْسَلْتُ
بَہِ الْیَکُمْ وَیَسْتَخْلِفُ رَہِیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ
وَلَا تَضْرِبُوْہُ شَیْئًا

اگر تم لوگ اعراض کرتے ہو تو میں نے اپنا پیغام تم تک پہنچا دیا،
میرا خدا اب تمہارے سوا کسی دوسری قوم کو اپنا جانشین بنا سکتا
اور تم اسے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے،

علامہ ابن خلدون نے بھی ایک خاص فصل میں اس مسئلہ کو نہایت تفصیل کے
ساتھ لکھا ہے، اور جو کچھ لکھا ہے، وہ حرف لیبان کے نظریہ پر منطبق ہے، چنانچہ

اوس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

”جب بائیان سلطنت عیش و طرب میں مصروف ہو جاتے ہیں تو اپنے دوسرے بھائیوں کو غلام بنا لیتے ہیں اور اون کو سلطنت کے کاروبار میں لگا دیتے ہیں، لیکن جن لوگوں نے سلطنت میں کوئی حصہ نہیں پایا ہے، چونکہ اونھوں نے ناز و نعم میں زندگی نہیں بسر کی ہے اسلئے وہ نوجوان باقی رہتے ہیں، اور جب پہلے لوگ عیش پرستی کی وجہ سے بوڑھے ہو جاتے ہیں تو دوسرے گروہ کی عصبيت تازہ رہتی ہے، اس بنا پر وہ اپنا مرجع امید اوس ملک کو بنا دیتے ہیں، جس سے وہ ردک دیئے گئے تھے، چنانچہ عرب میں جب عاد کی سلطنت کا خاتمہ ہوا تو اودن کے بھائی ثمود صاحب تخت و تاج ہوئے، ثمود کے بعد عالقہ، عالقہ کے بعد حمیر، حمیر کے بعد تبابعہ، اور تبابعہ کے بعد اذاکا دور دورہ ہوا، اس کے بعد مصر کی سلطنت قائم ہوئی، اس کے بعد ایران اور مغرب کے انقلاب سلطنت کی متعدد مثالیں دی ہیں)

لیبان نے قوموں کے مزاج عقلی کے اختلاف کی بنا پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مختلف المزاج قوموں پر حکومت کرنا سخت مشکل ہے، بلکہ اکثر حالتوں میں اون پر حکومت ہو ہی نہیں سکتی، چنانچہ ایک موقع پر لکھتا ہے،

تین قوموں میں باہم کشمکش پیدا ہوتی ہے اون سب کا یہی حال رہ چکا ہے اون کے تمام منازعات و اختلافات کا سرچشمہ مزاج عقلی کا یہی اختلاف تھا اسلئے جب قوموں کی نسل نے وسعت حاصل کی تو اون مختلف المزاج لوگوں کا ایک جھنڈے اور ایک قانون کے تحت میں رہنا سخت مشکل ہو گیا، دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے

اس قسم کی مختلف قوموں پر حکومت کرنا چاہیے وہ خود مٹ گئے ہیں۔

علامہ ابن خلدون نے بھی اس مسئلہ پر ایک مستقل فصل میں بحث کی ہے، اور اس کو مختلف مثالوں سے ثابت کیا ہے، چنانچہ لکھا ہے،

”اس کا سبب خیالات و جذبات کا اختلاف ہے، اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ عصبیت انکی حمایت کرتی ہے، اس بنا پر ہر وقت سلطنت کی مخالفت میں ہنگامہ اور بغاوت ہوتی رہتی ہے، افریقہ اور مغرب میں ابتداء اسلام سے آج تک جو واقعات پیش آئے، اون کو اس موقع پر پیش نظر رکھنا چاہیے، ان مالک کے برابرہ کے قبائل اور انکی عصبیت میں چونکہ اختلاف تھا اسلئے اون پر ابن ابی سرح کا پہلا حملہ بالکل ناکامیاب رہا اور انھوں نے اس کے بعد متصل شورشیں برپا کیں، اور وہاں مسلمانوں کی سخت خوریزی ہوئی اور جب وہاں اسلام کو استقرار و استحکام حاصل ہو گیا تب بھی انھوں نے اس روش کو قائم رکھا، اور خارجی مذہب کے پابند ہو گئے ابن ابی زید کہتا ہے، کہ مغرب کے برابرہ مرتبہ مرتبہ ہوئے، اور موسیٰ بن نصیر کی حکومت سے پہلے وہاں اسلام کو استحکام نہ حاصل ہو سکا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مقولہ کا کہ ”افریقہ اپنے باشندوں کے دلوں کو پراگندہ رکھتا ہے“ یہی مطلب ہے لیکن عراق اور شام کی یہ حالت نہ تھی ایرانی اور رومی تمدن اور شہری باشندے تھے، اسلئے جب مسلمانوں نے اون کو محکوم کیا، تو کسی نے انکی راہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کی، خود نبی اسرائیل کے زمانے میں بھی شام کی حالت بعینہ مغرب اور افریقہ کی تھی، وہاں فلسطین کے متعدد قبائل، شلاکھان، بنو عیصو، بنو مدین، بنو لوط اور روم، یونان، علاقہ، اگرکیش، بنطس کے متعدد خاندان آباد تھے، اس بنا پر

دہان بنو اسرائیل کی سلطنت کو کبھی استحکام حاصل نہیں ہوا،
 اس کے باطل برعکس جن مقامات میں اس قسم کی مختلف عصبيت نہیں پائی جاتی،
 دہان سلطنت کا قائم کر لینا نہایت آسان ہوتا ہے، ہمارے زمانے میں مصر و شام کا
 یہی حال ہے،

لیبان اگرچہ عقلی حیثیت سے مذہب کو اداہم اور خرافات کا مجموعہ سمجھتا ہے، تاہم
 اوس کو وہ تمدنی انقلاب کے لئے ایک نہایت موثر چیز خیال کرتا ہے، چنانچہ اوس نے مذہب کے
 تمدنی اثر کو ایک خاص فصل میں نہایت تفصیل کے ساتھ نمایاں کیا ہے، اوس کے نزدیک
 مذہبی اثر کا فلسفہ یہ ہے،

مذہب کی عظیم الشان قوت کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ ایک زمانے میں قوم کے
 فوائد، قوم کے احساسات، اور قوم کے خیالات کو متحد کر دیتا ہے، اسلئے وہ ادن تمام
 عناصر کا جن سے قومی روح پیدا ہوتی ہے، و نفعہ قائم مقام ہو جاتا ہے، یہ سچ ہے
 کہ مذہبی قوت کے استیلاء سے قوم کا مزاج عقلی نہیں بدل جاتا، تاہم تمام قوتوں کا رخ
 صرف ایک مقصد کی طرف ہو جاتا ہے، یعنی تمام طاقتیں اس جدید مذہب کی
 حمایت میں کھڑی ہو جاتی ہیں اور مذہب کی عظیم الشان طاقت کا راز اسی اصول کے
 اندر مضمر ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کی جن قوموں نے کاروائے نمایاں کئے ہیں
 اسی قسم کے مذہبی انقلاب کے زمانے میں کئے ہیں، اور دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں
 کی تاسیس اسی دور انقلاب میں ہوئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الہامی
 خیالات نے اسی طریقہ سے قبائل عرب میں اتحاد پیدا کیا، اور ان لوگوں نے

تمام قوموں کو زیر و زبر کر کے عظیم الشان سلطنت قائم کر لی۔

لیکن درحقیقت اوس نے اس موقع پر ابن خلدون کے الفاظ کا حرف بہ حرف اعادہ کر دیا ہے، ابن خلدون نے ایک مختصر سی فصل میں ان خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے،

اس کا سبب یہ کہ ملک غلبہ سے اور علیہ عصبیت اور اتفاق سے حاصل ہوتا ہے، اور نہ میں اتحاد صرف خدا اپنے مذہب کے قیام کے لئے پیدا کر دیتا ہے، خدا خود کہتا ہے، ہوا الفقت ما فی الاوضاع جمیعاً ما الفت بین قلوبہمہم اگر تم زمین کی تمام دن صحن کوالتے تب بھی انکے لوگوں کو متحد نہیں کرسکتے، اس کا فلسفہ یہ کہ جب لوگوں کے دل ہوا پرستی، اور خواہشات دنیا کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، تو اون میں رشک و حسد اور اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، اور جب نیا کو جوڑ کر اون کا رخ خدا کی طرف ہوتا ہے تو اون کا مقصد متحد ہو جاتا ہے، رشک و حسد کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اختلافات کم ہو جاتے ہیں، طریقہ ملاد و اعانت اور اتحاد میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے، اسلئے اس طریقہ سے جو سلطنت قائم کی جاتی ہے، وہ بھی نہایت عظیم الشان ہوتی ہے، اس کے بعد کی فصل میں علامہ موصوف نے واقعات سے اسکی متعدد مثالیں دی ہیں جن میں سب سے زیادہ نمایان مثال فتوحات اسلامیہ کی ہے،

لیبیان کو فنون لطیفہ، بالخصوص فنون لطیفہ کی ایک خاص شاخ یعنی فن تعمیر سے خاص طور پر دلآویزی ہے، اور اوس کو وہ ہر قوم کی تاریخ کا صحیح ماخذ سمجھتا ہے، اسلئے اوس نے عموماً اپنی تمام کتابوں میں فنون لطیفہ پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اور اس کتاب میں بھی ایک طویل فصل اسکی مذکر کردی ہے، لیکن اس کتاب میں چونکہ صرف تاریخ کی

تمام شاخون کو ہر قوم اور ہر زمانے کے مزاج عقلی پر منطبق کرنا تھا، اسلئے لباس فنون لطیفہ کے متعلق متعدد نظریات قائم کئے ہیں اور اون سے متعدد تاریخی نتائج نکالے ہیں، اون میں ایک نظریہ یہ ہے،

فنون لطیفہ چونکہ بعض خاص جذبات اور بعض خاص تمدنی ضروریات کا نتیجہ بنے ہیں اسلئے ان جذبات اور ضروریات کے ساتھ لازمی طور پر اون میں تبدل اور تغیر ہوتا رہتا ہے، بلکہ کبھی کبھی اول جذبات اور ضروریات کے تغیر ذرا دل سے وہ کلیتہً معدوم بھی ہو جاتے ہیں اس نظریہ کی بنا پر اس نے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

(۱) اس زمانے میں فنون لطیفہ نہایت عام اور قبضل ہو گئے ہیں، مگر وہ مذہبی خوش اعتقادیان، وہ مذہبی ضرورتیں اور وہ مذہبی احساسات اب بالکل بدل گئے ہیں جو قدیم زمانے میں مذہبی عمارتوں کے اصلی معمار تھے،

(۲) اب فنون لطیفہ صرف زیب و زینت کا ذریعہ خیال کئے جاتے ہیں، اور چونکہ اب اون کا تمدنی ضروریات میں شمار نہیں کیا جاتا اسلئے اب وہ محض مصنوعی اور تقلیدی چیز ہو گئے ہیں، اسی بنا پر آج فنون لطیفہ کو کسی قوم کا مخصوص فن نہیں قرار دیا جاسکتا،

(۳) قرون وسطیٰ کی سادہ تصویروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے کے خوش اعتقاد مصوّر حواریں، مسیح، جنت اور دوزخ کی جو تصویریں کھینچتے تھے، اون کا ادب نے میں خاص اثر تھا لیکن اس زمانے میں اس قسم کی جو تصویریں کھینچی جاتی ہیں اون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض نقالی ہے،

(۴) ہمارے زمانے میں من حیث الفن صرف اون چیزوں کی تصویروں کو اصلی تصویر کہہ سکے ہیں، جو ہمارے گرد و پیش موجود ہیں، ہمارے زمانے کا اصلی فن تعمیر وہ ہے،

جو ہمارے سامنے پنج منزلہ عمارتوں، پانی کی نہروں، بڑے بڑے پلین اور ریلوے لائنوں کا
 ڈھانچہ کھڑا کر دیتا ہے،

(۵) ان جذبات و ضروریات کے تغیر و تبدل سے دور جدید کے مکانات، اور عمد
 قدیم کے گرجے و لون زمانہ آئندہ کے انجینئرز کو کسان نظر آئینگے،

(۶) اگر کسی قوم کو فنون لطیفہ میں کامل ترس رہتی ہو تو وہ جس مستعار کو اپنے
 خاص سانچے میں ڈال لیتی ہو لیکن تمدن کی جو شاخیں خاص اوس قوم کے جذبات کو
 نمایاں نہیں کرتیں اون پر اسکا بہت کم اثر پڑتا ہے، چنانچہ جب رومن قوم نے یونانی
 طرز عمارت کی تقلید کی تو اوس میں کوئی نمایاں تغیر نہیں پیدا کیا کیونکہ رومن قوم کی
 روح کا مظہر فنون لطیفہ نہ تھے، بلکہ اوس کا میلان تمدن کی دوسری شاخوں کی
 طرف تھا،

(۷) ہر قوم فنون لطیفہ میں اپنے خاص جذبات کے مطابق تغیر پیدا کرتی ہو چنانچہ
 روم کی عمارتیں اپنے ماخذ انجینئر کے نازک و لطیف خیالات کی ترجمانی نہیں کرتیں،
 بلکہ اوس جنگی قوت اور فوجی شان و شوکت کا اظہار کرتی ہیں جس سے رومن قوم کو خاص
 مناسبت تھی،

(۸) ہر صنایع کی صنایع اوسکی قوم اور اسکے زمانے کے عقائد، خیالات اور جذبات کی عکس تصویر بنی
 علامہ ابن خلدون نے اس سلسلہ پر جو کچھ لکھا ہے اوس میں اگرچہ وہ
 جامعیت، وہ تفصیل، اور وہ حسن تنباط نہیں پایا جاتا، جو لیون کی کتاب میں پایا جاتا ہے
 تاہم کم از کم اوس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ابن خلدون کے دل میں بھی یہ بات
 کھٹکی ہو کہ بعض پیشے اور بعض صنعتیں کیوں بعض ممالک کے ساتھ مخصوص ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ لکھتا ہے،

”یہ ظاہر ہے کہ شہریوں کے تمام کام ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، کیونکہ تمدن کا اقتضا ہی یہی ہے، شہروں میں جن کاموں کی ضرورت ہوتی ہے، اُن میں بعض، کسی خاص شہر کے باشندوں کے ساتھ مخصوص ہو جاتے ہیں اسلئے وہ لوگ اُس میں مہارت پیدا کرتے ہیں، وہ اُنکا خاص مشغلہ ہو جاتا ہے، اور عام ضرورت کی بنا پر وہ اُنکا ذریعہ معاش بن جاتا ہے، لیکن جو پیشے عام طور پر ذریعہ معاش ہوتے ہیں، وہ کسی ملک یا شہر کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتے، درزی لوہار، بڑھئی، وغیرہ ہر شہر میں پائے جاتے ہیں، بہت سے کام اور بہت سے پیشے صرف امارت پسندی، اور عیش پرستی کا نتیجہ ہوتے ہیں، اسلئے اُن کا وجود صرف انہی شہروں میں پایا جاتا ہے جو تمدن و تہذیب کا مرکز ہوتے ہیں، مثلاً شیشہ ساز، زرگر، عطر فروش، فراش، رکابدار وغیرہ صرف تمدن شہروں میں پائے جاتے ہیں، اُنکی بھی کوئی خاص حد مقرر نہیں کی جاسکتی، بلکہ تمدن اور عیش پرستی کو جس قدر ترقی ہوگی، اُسی نسبت سے ان پیشوں کے انواع میں بھی اضافہ ہوگا، عام ہی قسم کی چیز ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ صرف اُن شہروں میں پائے جاتے ہیں، جو تمدن و تہذیب کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں، متوسط درجے کے شہروں میں اُن کا وجود نہیں پایا جاتا، یہاں تک کہ اگر بادشاہ اور روسا بھی وہاں جا کر آباد ہو جائیں، لیکن عام طور پر اُن کی ضرورت نہ ہو، تو وہ بہت جلد منہدم ہو جائیں گے اور انکے مالک بھاگ کر بھاگے ہوئے ہوں گے،

اس کتاب کا سب سے بڑا محور مزاج عقلی ہے جو بظاہر لیبان کی خاص ایجا معلوم
 ہوتا ہے، لیکن علامہ بن خلدون نے مدتوں پہلے اس کا پتہ لگالیا تھا، چنانچہ لکھتا ہے،
 ”قبائل کی عصبیت عامہ مثل مزاج کے ہے، اور مزاج عناصر کی ترکیب سے پیدا
 ہوتا ہے، اور اپنے موقع پر ثبات ہو چکا ہے کہ جب عناصر کی قوت برابر درجہ کی
 ہوتی ہے، تو اس سے مزاج نہیں پیدا ہوتا،“

بہر حال لیبان کو جس فلسفہ تاریخ کی ایجاد کا شرف حاصل ہے وہ اگرچہ ابن خلدون کے
 فلسفہ تاریخ سے مختلف ہے تاہم چونکہ دونوں کا موضوع ایک ہے اسلئے ایجاد دونوں کے
 مضامین میں اشتراک پایا جاتا ہے اور اس بنا پر ہم وہی زبان سے کہہ سکتے ہیں کہ
 لیبان کے نظریات سے اسلامی السریح بالکل نا آشنا نہیں ہے،

مقدمہ مصنف

موجودہ زمانہ میں مذہب مساوات

اور

تاریخ کی روح

تخیل مساوات کی نشوونما اور اس کی ترقی، اس تخیل کے نتائج نظام عمل پر اسکا اثر موجودہ دور میں جماعتوں پر اسکا اثر اس کتاب کا موضوع بحث، انقلاب قوام کے اہم موثرات پر ایک عام بحث، ایک نامزدی شاخوں یعنی نظام حکومت، فنون لطیفہ، اور عقائد وغیرہ کی کوئی نئی روح پر جو ہر قوم کے ساتھ مخصوص ہے، تاریخی انقلابات اور ان کے مستحکم نظری قوانین۔

ہر قوم کے تمدن کا دار مدار چند اساسی اصول پر ہوتا ہے جو اس کے نظام حکومت نظام اخلاق اور فنون لطیفہ کا سنگ بنیاد ہوتے ہیں، اور جن کے عدم اور وجود و فنون کیلئے ایک میل مدت درکار ہوتی ہے،

یہ اصول اگرچہ بعض حالتوں میں صحیح نہیں ہوتے، لیکن او کی غلطی صرف روشن دماغ لوگوں کو محسوس ہوتی ہے، باقی عام لوگ انکو ایک ناقابل انکار حقیقت سمجھتے ہیں، گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ ان سے متاثر ہوتے ہیں، اور ان کے موافق عمل کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کسی جدید مذہب کے قائم کرنے اور قدیم مذہب کے مٹانے میں سخت دشواریاں پیش آتی ہیں، لیکن بعض فلاسفہ نے نوع انسان کی تاریخ، او کی قوت عقلیہ کے انقلابات، اور اس کے قوانین شناس طبعی کے فیر کو

نظر انداز کر دیا، اور اقوام اور افراد کے درمیان مساوات کے خیال کی اشاعت کے لئے اوٹھ کھڑے ہوئے اس خیال نے جماعت کو اس قدر گرویدہ بنالیا اور شدت کیساتھ اون کے دماغ میں جاگزیں ہو گیا کہ اوس میں چند ہی دنوں کے بعد بگ و بار پھل آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم جماعتوں کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں، عظیم الشان شورشیں برپا ہوئیں، یہاں تک کہ اوس نے یورپ کو اوٹھا کر ایک تلامخیز سمند میں ڈال دیا جس کا نتیجہ خدا جانے آئندہ کیا ہوگا؟

اگرچہ مختلف افراد اور مختلف اقوام میں باہم جو فرق و امتیاز قائم ہے، وہ عام طور پر اس قدر مسلم ہو کہ اوس سے خود ان فلاسفہ کو بھی انکار نہیں، لیکن اونھوں نے نہایت عجلت کے ساتھ یہ عقیدہ قائم کر لیا ہو کہ وہ طریقہ تعلیم و تربیت کے اختلاف کا نتیجہ ہے، ورنہ فطرۃً تمام انسان ذہانت اور پاکیزہ نفسی میں یکساں پیدا ہوئے ہین، لیکن اس خیر کو نظام حکومت نے خراب کر دیا ہے، جن لوگوں نے نہایت آسانی کے ساتھ یہ عقیدہ قائم کر لیا ہے، اوس کی دکان بجا و کر نا بھی اون کے لئے کوئی دشواری کام نہ تھا، چنانچہ اون کا خیال ہو کہ اگر نظام حکومت میں تغیرات پیدا کئے جائیں اور تمام لوگوں کے لئے ایک متحدہ نظام تعلیم قائم ہو جائے تو یہ تمدنی مرض آسانی کے ساتھ زائل ہو سکتا ہو، یہی وجہ ہو کہ نظام حکومت اور مسئلہ تعلیم موجودہ دور کے حزب الاحرار کا سرمایہ حیات بن گیا ہو اور اون کے نزدیک صرف انہی دو چیزوں کے ذریعہ سے اس فرق و امتیاز کو جو موجودہ زمانے کے اصول کو زخمی کر رہا ہو، مٹایا جاسکتا ہو، لیکن اب علم نے بہت زیادہ ترقی کر لی ہے اور اوس نے بدلائل ثابت کر دیا ہے کہ مذہب مساوات صحیح نہیں ہے اور مختلف اقوام کی عقل میں زمانے نے جو عظیم الشان فرق مراتب پیدا کر دیا ہے، وہ متعدد نسلوں کے بعد مختلف موثرات کے متواتر عمل ہی سے زائل ہو سکتا ہو، اب تک علم النفس جس درجہ تک پہنچ چکا ہے، اوس سے مختلف تجربوں کے بعد ثابت ہوتا ہو کہ جو نظام حکومت، اور جو طریقہ

تعلیم و تربیت چند افراد یا ایک قوم کے لئے مفید ہے، وہ دوسرے افراد اور دوسری قوم کے لئے
مضر ہے، با انہم جو مذہب ہر دماغ میں سرایت کر گیا ہے، اوس کا ابطال فلاسفہ کے دسترس سے
باہر ہے کیونکہ کوئی خیال جب دلوں میں جاگزین ہو جاتا ہے، تو اوسکی حالت اوس دریا کے ضباب
ہو جاتی ہے، جس کا پانی طغیانی کی حالت میں، پل کے اوپر سے گزر کر کھیتوں میں پہنچتا ہے، اور
زراعت کو ہارے جاتا ہے، اور کوئی تیز اوس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی،

یہ خیالی مذہب یعنی مذہب مساوات جس نے کل دنیا کے نظام کو اولٹ دیا ہے، جس نے
برا عظم یورپ میں اسی شورش برپا کر دی ہے جس سے دنیا لرز اٹھی ہے، جس نے برا عظم امریکہ
میں قومی لڑائی کی آگ بھڑکا دی ہے، اور جس نے فرانس کی تمام نوآبادیوں کو ایک افسوسناک
حالت انحطاط میں مبتلا کر دیا ہے، اوسکی نسبت ہر باہر علم النفس، ہر بلع النظر سلیح، ہر تجربہ کار سیاسی
مدبر یقین رکھتا ہے کہ وہ متر پایا غلط ہے، با انہم جن میں بہت کم لوگ اوسکے مقابلہ کے لئے آمادہ ہوتے ہیں،
اب تک یہ مذہب اپنے دور تسرل کو نہیں پہنچا ہے، بلکہ روز بروز ترقی کر رہا ہے، کیونکہ اشتراکیت کا
دعوئی ہے، کہ مغربی قوموں کے فوز و فلاح کا ذریعہ وحید صرت وہی ہے، اسی مذہب کے بل پر
عورت مرد سے مساویانہ حقوق اور مساویانہ تربیت کی خواستگار ہے، اور دونوں جنسوں کی
قوت عاقلہ میں جو نوعی فرق ہے، اوس کو بھول گئی ہے، لیکن اگر وہ اس مقصد میں کامیاب
ہو گئی تو نہ یورپ میں مرد کو قیام کے لئے گھر ملے گا، نہ ملائیت قلب حاصل کرنے کے لئے کنبہ اور خاندان میسر ہوگا،
اصول مساوات سے جو سیاسی اور تمدنی انقلابات پیدا ہوتے ہیں، اور جنکا ظہور آئندہ
زمانے میں ان سے بھی زیادہ خطرناک صورتوں میں ہوگا خود یورپ میں قوموں کو اوسکی مطلق پروا نہیں
مدبرین سیاست کی علمی زندگی ایک خاص مرکز میں محدود ہو گئی ہے، اور اوس کے ساتھ عام راجے
سے عربی زبان میں سوشلائزم کو اشتراکیت اور سوشلائٹ، کو اشتراکیت کہتے ہیں اور اپنے ہر جگہ یہی عربی لفظ استعمال کیا ہے،

کو اس قدر غلبہ حاصل ہو گیا ہے، کہ وہ خود حکومت کرنے لگی ہے، اور اس کی تقلید ہر شخص پر فرض ہو گئی ہے، اس لئے وہ بھی ان واقعات کے ساتھ کچھ قوم سے زیادہ اعتنا نہیں کرتے،

ہر مذہب کی اہمیت کا اندازہ صرف اُس اثر سے ہو سکتا ہے، جو اس کے پیروں کے دل پر پڑا ہے، خود اصل مذہب کی صحت اور غلطی ایک فلسفیانہ مسئلہ ہے جو صرف حکما کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے، ورنہ علمی طور پر جب کوئی اصول عوام کے دماغ میں سرایت کر جاتا ہے، تو وہ صحیح ہو یا غلط، اس کے سامنے ہر تسلیم خم کرنا فرض ہو جاتا ہے،

یہی وجہ ہے کہ عوام کے ذریعہ کرنے کے لئے لوگ اس مذہب کو نظام حکومت اور نظام تعلیم کے ذریعہ سے ثابت کرتے ہیں، فطرتی قوانین نے جو نظام کئے ہیں اور ان کی اصلاح کی طبع دلاتے ہیں، اور عرب، ایشیا اور حبش کے لوگوں کو ایک ہی رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں، یہ خیال اگرچہ غلط ہے، لیکن خیالات کے مفاسد کو صرف تجربہ ہی کے ذریعہ سے ثابت کیا جاسکتا ہے، خود عقل انسان کے اعتقاد میں کوئی تزلزل نہیں پیدا کر سکتی، اس کتاب میں اور ان خلاق نفسیہ کی تفصیل کی گئی ہے، جتنا سے قوموں کی روح پیدا ہوتی ہے، اور بدلائل ثابت کیا گیا ہے کہ ہر قوم کی تاریخ، اور اس کے تمدن کا ماخذ یہی اخلاق ہیں، یہ کتاب کا اصل موضوع ہے، اور اس موضوع کے لحاظ سے ہر قوم اس میں تاریخی قوموں کی تولید کے اسباب و لوازم کے مزاج عقلی کے طریقہ تربیت سے بحث کرنا ہوگی،

تاریخی قوموں سے وہ تو میں مراد ہیں جن کا ظہور تاریخی زمانہ کے بعد ہوا ہے، اور ان کی تکوین فتوحات ہجرت، اور سیاسی انقلابات کا نتیجہ ہے، اس کے بعد ہم یہ بتائیں گے، کہ یہی طریقہ تکوین ان کی تاریخ کا اصل ماخذ ہے، اور اسی مسئلہ میں ان کے نظام اخلاق کی پابندی اور اس کے انقلابات کی طرف بھی اشارہ کریں گے، پھر اس مسئلہ پر نظر ڈالیں گے کہ مختلف

قویم اور مختلف افراد مساوات کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں، یا اسکے برعکس دن میں فرق تفاوت پیدا ہوتا جاتا ہے، پھر یہ دیکھیں گے کہ تمام تمدنی شاخیں، یعنی فنون لطیفہ، نظام حکومت اور عقائد وغیرہ قومی روح کا مظہر ہیں یا نہیں؟ جسکی بنا پر دوسری قوم اوس کی نقل و تقلید نہیں کر سکتی، سب سے اخیر میں اون جابرانہ اسباب سے بحث کریں گے، جن کی وجہ سے تمدن کا چرخی لگ کر ہو جاتا ہے، اور اوسکے تمام آثار ملت جاتے ہیں، لیکن ان تمام مباحث کی تفصیل صرف مستقیماً کی جائے گی، جتنی اصول و مبادی کے توضیح و اثبات کے لئے ضروری ہو، کیونکہ ہم نے مشرقی تمدن پر جو کتابیں لکھی ہیں، اون میں ان مباحث کا پورا استقصاء کر دیا ہے، اور یہ مختصر کتاب صرف ادنیٰ کا خلاصہ ہے،

میں نے مختلف ممالک کی سیر و سیاحت میں جن چیزوں کا مطالعہ کیا اون میں مجھے خاص طور پر یہ نظر آیا کہ ہر قوم کا ایک خاص مزاج عقلی ہوتا ہے جس میں خواص جسمانی کی طرح استحکام اور پائیداری پائی جاتی ہے، اور اوس کے تمام احساسات، خیالات، معتقدات، نظام حکومت اور فنون لطیفہ اسی مزاج سے پیدا ہوتے ہیں، ٹاکویل، اور دوسرے اکابر فلاسفہ کا خیال ہے، کہ قوموں کے تمام انقلابات و تغیرات، نظام حکومت کا نتیجہ ہوتے ہیں، لیکن میرا خیال بالکل اس کے برعکس ہے، چنانچہ ٹاکویل نے جن قوموں کے حالات سے بحث کی ہو، میں خود ادنیٰ حالات کو استدلالاً پیش کر کے یہ ثابت کر سکوں گا کہ تمدن پر نظام حکومت کا اثر بہت کم پڑتا ہے، اور وہ اکثر معلول اور علت بہت کم ہوتا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ قوموں کی تاریخ مختلف عناصر سے مرکب ہوتی ہو اور ادنیٰ عناصر میں وہ شخصی اور اتفاقی واقعات بھی شامل ہیں جن کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے، لیکن اس سلسلہ سے الگ، چند پائدار اصول کلیہ بھی ہیں، جن کے مطابق ہر قوم کی تمدنی رفتار واقع ہوتی ہے، ان اصول میں سب سے زیادہ عام اور سب سے زیادہ پائدار اور مزاج عقلی

ہے، اور ہر قوم کی زندگی، یعنی اس کا نظام حکومت، اور اسکے معتقدات، اور اسکے فنون لطیفہ
 اسی روحانی بناوٹ کے تار و پود ہیں اور اسلئے جب تک کوئی قوم اس روح کو نہ بدلے
 ان تمام چیزوں کو نہیں بدل سکتی، یہ سچ ہے کہ ہمارے نظریہ تاریخوں میں مذکور نہیں ہے،
 لیکن ہم نہایت آسانی کے ساتھ ثابت کر دیں گے کہ تاریخی واقعات اور ہمارے خیالات میں
 جو اختلاف نظر آتا ہے، وہ حقائق واقعیہ پر مبنی نہیں بلکہ بالکل سطحی اور ظاہری ہے، جن مصلحین نے
 ایک صدی سے بتدریج ہر چیز میں تغیر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے بیان تک کہ ادون
 لوگون نے خدا، زمین، اور دنیا کی کل آبادی کو بدلنا چاہا ہے، وہ لوگ بھی قوموں کی فطرت
 کے بدلنے میں بہت کم کامیاب ہوئے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ مخلوقات میں عموماً اور نوع انسان
 افراد میں خصوصاً جو فرق و امتیاز نہایت مستحکم طور پر قائم ہو گیا ہے، وہ اس لئے نہیں افترکین گئے
 مذہب پر بالکل منطبق نہیں ہوتا، اگرچہ اس مذہب جدید کے مبلغین ہم کے مرض میں مبتلا ہیں
 اور اگرچہ قد ار نے انسان کے فطرتی مطمح نظر یعنی سعادت دنیوی پر پرچشیں کی ہیں، ان لوگوں کے
 خیالات کا اخذ بھی وہی ہیں، لیکن محض علمی دلائل سے ان کو تسکین نہیں ہو سکتی، مساوات کے خیال کا
 قدم اگر انسان کے فطرتی فرق مراتب کے پیچ و خم میں ادھجہ نہ جاتا، تو اس کی قیمت بھی ان توہمات
 کم نہ ہوتی، جن کے چھپے چھپے انسان نے اپنی زندگی کے تمام مراحل طے کئے ہیں، اگر اس فرق
 مراتب کے ساتھ ان کیفیتوں کا بھی اضافہ کر لیا جائے، جو پیری اور موت کی صورت میں انسان
 طاری ہوتی رہتی ہیں، تو معلوم ہوگا کہ یہ تفریق فطرت کے ادون عالمگیر مظالم کا ایک لازمی
 جزو ہے، جن کے دائرہ حکومت سے انسان نکل نہیں سکتا،

پہلا باب

قوموں کی نفسانی فطرت

پہلی فصل

قوموں کی روح

تقسیم انواع میں طبعین کا طریقہ اس طریقہ تقسیم کا انطباق نوع انسان پر
انواع انسانی کے موجودہ طریقہ تقسیم کی غلطی کا بیان نفسی طریقہ تقسیم کا سنگ بنیاد، قوم میں طبقہ
متوسطہ کی مثال، بحث استدلال کے ذریعہ سے اس کا علم کیونکر ہو سکتا ہے؟ وہ محرکات نفسیہ
جن کے ذریعہ سے قوم میں طبقہ متوسطہ کی مثال پیدا ہوتی ہے، آباء و اجداد کا اثر، ایک
قوم کے ہر فرد میں جو عام فطرت نفسیہ پائی جاتی ہے، گذشتہ نسل کا موجودہ نسل پر
عظیم الشان اثر۔ اس اثر کے تحقیقی اسباب۔ تمام قوم کی مشترکہ روح جانداران سے
گاؤں میں، اور گاؤں سے شہر میں، اور شہر سے ملک میں کیونکر منتقل ہوئی؟ شہری
اتحاد خیال کے فوائد اور اس کے نقصانات، کن حالات میں تمام قوم کی متحدہ روح کا
پیدا ہونا محال ہوتا ہے؟ اٹلی کی مثال، فطرتی قومیں کیونکر برابر ہوں، اور کیونکر تاریخی
قوموں نے ان کی جگہ لے لی؟

نباتات اور حیوانات کی طرح، قدرت کی بوقلمونیوں کا سب سے عجیب و غریب مظہر انسان ہے
افراد کے تشخصات ایک طرف، خود ہر قوم، ہر ملک، ہر نسل میں اس قدر عظیم الشان
اختلافات موجود ہیں کہ انسانیت کے مفہوم کلی کے سوا ان میں کسی قسم کا اشتراک نہیں پایا جاتا
اس بنا پر سوال یہ ہو کہ اگر اس وصف کلی سے قطع نظر کر لی جائے، تو مختلف قوموں کی تقسیم واقعی ان کا

کیا معیار قرار دیا جاسکتا ہے؟ علمائے طبعین نے رنگ روپ، ڈیل ڈول، قوت قامت، اور
 دماغی ساخت، کے اختلاف کو انواع انسانی کا ماہر الامتیاز قرار دیا ہے، یورپین قوموں کا
 رنگ سفید ہوتا ہے، جشی سیاہ فام ہوتے ہیں، چینیوں اور جاپانیوں کا رنگ زرد ہوتا ہے،
 غرض ہر قوم جسمانی اوصاف کے لحاظ سے دوسری قوم سے مختلف ہوتی ہے، اور انہی
 اعراض جسمانیہ کے اشتراک و اختلاف کی بنا پر انسان کو مختلف انواع میں تقسیم کیا جاتا ہے،
 ظاہر بین نگاہیں اگرچہ اس تقسیم کو صحیح سمجھتی ہیں، لیکن حقیقت یہ کوئی جامع تقسیم نہیں ہے
 جسمانی فرق و امتیاز کا منظر صرف وہی تو میں ہو سکتی ہیں جنہیں خلقت کسی قسم کا اتحاد نہیں ہوتا،
 اسلئے ان امتیازات کی بنا پر انسان کی تقسیم صرف جشی، یورپین، چینی، غرض اسی قسم کی
 چند محدود انواع میں ہو سکتی ہے، لیکن دنیا میں متعدد تو میں ایسی بھی ہیں، جنکے رنگ روپ
 ڈیل ڈول، اور خط و خال میں کوئی نمایان اختلاف نہیں پایا جاتا، بالینہ اوکی قومیت مختلف ہے
 ان کے احساسات مختلف ہیں، اور احساسات و جذبات کے اس اختلاف نے ان کے عقائد
 ان کے تمدن، اور ان کے علوم و فنون میں بھی اختلاف پیدا کر دیا ہے، ایک اسپنیش (ہسپانوی)
 اسپین، اور ایک انگریز جسمانی حیثیت سے متحد الاوصاف ہیں، لیکن دونوں کو ایک ہی نوع کا
 قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ ان دونوں کے درمیان ایک ایسی عقلی حد فاصل قائم ہے
 جو ان دونوں قوموں کی تاریخ کے ہر صفحہ سے نمایان ہوتی ہے، اسی بنا پر بعض لوگوں نے
 اس قسم کی تشابہ و اختلاف قوموں کی تقسیم کا معیار زبان، مذہب، اور نظام سیاست کے اختلافات
 کو قرار دیا ہے، لیکن اس تقسیم کی غلطی اس قدر واضح ہے کہ اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں،
 لیکن ابھی ہم کو نوع انسانی کی صحیح و جامع تقسیم سے مایوس نہ ہونا چاہیئے، انسان
 صرف چند جسمانی اعراض کے مجموعہ کا نام نہیں ہے، وہ اپنے اندر ایک غیر تبدیل رُوح

بھی رکھتا ہے، اسلئے اگر ان اعراض کا اختلاف، زبان کا اختلاف، ملک کا اختلاف، نظام سیاست کا اختلاف، نوع انسان کی صحیح تقسیم نہیں کر سکتا، تو ہر کو علم انفس اس مقصد میں کامیاب بنا سکتا ہے کہ چونکہ اسکی روشنی میں ہم کو ان اخلاقی اور عقلی اوصاف کی جھلک نظر آتی ہے جو عقائد، سیاست اور فنون لطیفہ کے ذریعہ سے قوموں کے درمیان اختلافات و تغیرات پیدا کرتے ہیں، اور انہی اوصاف کے مجموعہ سے ہر قوم کے قالب میں ایک جدید روح پیدا ہوتی ہے، عناصر کی ترکیب سے جو مزاج پیدا ہوتا ہے، اُسکے علاوہ ہر قوم کا ایک عقلی مزاج بھی ہوتا ہے، جو استقلال، استحکام، اور پابداری میں اعراض جسمانیہ سے کسی طرح کم نہیں ہوتا، اگرچہ اس عقلی مزاج کو نظام جسمانی، یعنی دماغی ساخت سے ایک خاص قسم کی مناسبت ہوتی ہے، تاہم اب تک علمی ترقی اس مناسبت کے دریافت کرنے سے قاصر ہے، اسلئے ہم اس کو تقسیم انواع انسانی کا قاعدہ کلیہ نہیں بنا سکتے،

یہ اخلاقی اور عقلی اوصاف، جنکے مجموعہ سے ہر قوم میں ایک مشترک روح پیدا ہو جاتی ہے، زمانہ کے سیکڑوں برس کی گردشوں کا نتیجہ ہوتے ہیں، اسلئے وہ ہر قوم کے عہد گذشتہ کا خلاصہ، اُسکے آباء و اجداد کی وراثت اور اوسکی موجودہ روش کا بعد الاوین ہیں، اگرچہ بعض افراد میں یہ اوصاف مختلف طور پر پائے جاتے ہیں، لیکن عوارض جسمانی کی طرح، قوم کی غالب تعداد ان اوصاف میں اشتراک رکھتی ہے، اور وہ ان عوارض کی طرح ہمیشہ نئی نسل کے ساتھ نئے اور تازہ ہوتے رہتے ہیں، انہی اوصاف کے مجموعہ سے وہ وصف عام پیدا ہو جاتا ہے، جس کو کسی قوم کا نظام اخلاق کہا جاتا ہے، اور یہی معتدل اخلاقی روش ہر قوم کے کارناموں کا دیباچہ ہوتی ہے، مثال کی طور پر اگر ہم ایک ہزار فریج، ایک ہزار انگریز، اور ایک ہزار چینوں کا الگ الگ مجموعہ فرض کریں تو اس میں ہر موقع پر ہم

عظیم الشان اختلاف نظر آئے گا، با این ہمہ ان قوموں کے ہر فرد میں دل و دماغ کی نمایاں جھلک نظر آئے گی جو ان کی مخصوص قومیت کا لازمی نتیجہ ہیں، علمائے طبعیین نے (مثلاً) کتے اور گھوڑے کی دوجہ گانہ نوغین اس بنا پر قرار دی ہیں، کہ ان جانوروں کے مخصوص اوصاف مشترک طور پر صرف انہی کے افراد میں پائے جاسکتے ہیں، اور دوسرے جانوروں کے افراد میں ان کا وجود نہیں پایا جاتا، بعینہ اسی اصول کے موافق ہم فرنج، انگریز، اور چینیوں کو الگ الگ انواع میں تقسیم کر سکتے ہیں، کیونکہ ان قوموں کے اخلاقی اور عقلی اوصاف میں بھی کسی دوسری قوم کا فرد شریک نہیں ہو سکتا،

اگر کسی قوم پر اس قدر زبانتہ گزر جائے کہ اس کے عناصر اور افراد میں باہم امتزاج پیدا ہو جائے، تو ہر شخص نہایت آسانی کے ساتھ ان افراد کے اندر اس معتدل اخلاقی روش کا مطالعہ کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی جدید ملک میں قدم رکھتا ہے، تو سب سے پہلے اس کو انہیں عام قومی اخلاق کا منظر نظر آتا ہے، جو بار بار اس کی نگاہ سے گزرتے رہتے ہیں، اس عام قومی اخلاق کے علاوہ ہر فرد کا ایک ذاتی خلق بھی ہوتا ہے، لیکن چونکہ وہ اس کثرت سے بار بار نظر نہیں آتا، اسلئے ایک سیاح کی نگاہ اس پر نہیں پڑتی، اسی بنا پر انسان، اول نظر میں ایک انگریز، ایک تالین، اور ایک اسپینش کو پہچان لیتا ہے، اور نہایت آسانی کے ساتھ ان کے مخصوص اخلاقی، اور دماغی اوصاف کو ان کی طرف منسوب کر دیتا ہے،

یہ اوصاف اگرچہ الگ الگ ہر فرد پر منطبق نہیں ہوتے، لیکن تمام قوم اس معیار کے خشک اُمتدنی ہے،

قوم میں یہ متحدہ مزاج عقلی جن اسباب کی بنا پر پیدا ہوتا ہے وہ علم وظائف الاعضاء میں مذکور ہیں، اور انکی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان صرف اپنے ماں باپ کی ولادت نہیں بلکہ

اپنے پورے سلسلہ خاندان کا فرزند ہی، ہر ملک اور ہر قوم کے نظام اخلاق کا مبداء، اولین
 ادس کے آباء و اجداد ہیں، اور سکایہ خمیر اور قالب بالکل متحد ہو اور وہ ہمیشہ اسی زنجیر کی نظر
 کھینچتی رہتی ہو جس کی وہ آخری کڑی ہی ہے، پہل انسان مادر وطن کی پرستش صرف جذبات
 و احساسات ہی سے متاثر ہو کر نہیں کرتا، بلکہ ان جذبات کے پیدا کرنے میں نظام جہانی کی طرح
 موروثی نظام اخلاق کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے،

بہر حال انسان کی عملی زندگی کے موثرات سادہ طور پر تین قسم کے منقسم کئے جاسکتے ہیں،
 (۱) آباء و اجداد یعنی گذشتہ سلسلہ خاندان کا اثر جو تمام اسباب سے زیادہ قریبی ہوتا ہے،
 (۲) مان باپ کا اثر،

(۳) ملک، جغرافیہ حدود، آب و ہوا اور گرد و پیش کی چیزوں کا اثر،

بعض لوگوں نے انسان کے نظام اخلاق کے اسباب میں اسی تیسری قسم کو سب سے
 زیادہ اہمیت دی ہے، لیکن درحقیقت وہ ان تمام موثرات میں سب سے کم درجہ کا موثر
 ہے، ملک، آب و ہوا، اور اون تمام مادی اور روحانی چیزوں کا اثر جو ان کے تحت میں داخل
 ہیں، انسان کی تمام زندگی، بالخصوص زمانہ تربیت پذیر ہی میں بہت کم نمایاں ہوتا ہے،
 البتہ ان کا مستقل اثر اوسوقت ظاہر ہوتا ہے، جب ایک ہی قسم کی آب و ہوا میں انسان کی
 متعدد نسلیں گزر جاتی ہیں، اسلئے ان کا اثر درحقیقت سلسلہ خاندان ہی کے ذریعہ سے انسان کے
 رگ و پے میں سرایت کرتا ہے، ورنہ وہ بذات خود کوئی اہم چیز نہیں،

اس لحاظ سے انسان اپنی عملی زندگی میں صرف اپنی قوم کا بٹیا ہوتا ہے، اور وہ تمام
 خیالات و احساسات جن کو لیکر وہ پیدا ہوتا ہے، اوسکی قوم کی روح ہوتے ہیں، اس روح کی
 حقیقت اگرچہ مخفی ہے، لیکن اس کے اندر آفتاب کی طرح نمایاں ہیں، کیونکہ اوس کے ذریعہ سے

قوموں میں تغیرات و انقلابات پیدا ہوتے ہیں۔

قوم اس مجموعہ خلیات (cells) سے مشابہ ہے جس سے ہر فرد پیدا ہوتا ہے، ان خلیات کی زندگی کا زمانہ بذات خود نہایت مختصر ہوتا ہے، لیکن ان سے جو ذات پیدا ہوتی ہے وہ مدتوں تک زندہ رہتی ہے، اس لحاظ سے ہر خلیہ دو زندگی رکھتا ہے، ایک تو اداسکی شخصی زندگی، جو خود او اسکو زندہ رکھتی ہے، دوسری وہ کلی زندگی جس سے وہ فرد زندہ رہتا ہے، جو ان کے مجموعہ سے پیدا ہوا ہے، بعینہ اسی طرح قوم کا ہر فرد ایک نہایت محدود شخصی زندگی رکھتا ہے، لیکن اسکی کلی زندگی جو اس مجموعہ قوم کی زندگی سے عبارت ہے، جو اس فرد کی طرح دوسرے افراد سے بھی مرکب ہے، نہایت طویل اور غیر فانی ہوتی ہے، اسی اخیر زندگی کا نام ”قومی زندگی“ ہے اور قوم ہمیشہ اسی کے آثار و نتائج سے متاثر ہوتی رہتی ہے،

اس بنا پر قوم کو ایک ابدی ذات سمجھنا چاہیئے، جو زمانہ کے قید و سے آزاد ہے اور وہ صرف انہی زندہ افراد سے مرکب نہیں جنہوں نے او اسکو ایک محدود زمانہ میں ترقی دی ہے، بلکہ اس کا ایک عنصر وہ مردے بھی ہیں جو اس قوم کے آباء و اجداد تھے، اسلئے قوم کے حقیقی مفہوم کے سمجھنے کے لئے ماضی و مستقبل دونوں کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے، لیکن ان دونوں عنصروں میں مردوں کا اثر زیادہ قومی ہوتا ہے، کیونکہ ان کی تعداد و زندہ افراد سے زیادہ ہوتی ہے، اور غیر شاعرانہ زندگی میں انہیں کا اثر زیادہ نمایاں ہوتا ہے، پس قوم زندہ لوگوں سے زیادہ مردوں کے نقش قدم پر چلتی ہے، زندہ افراد نے صرف قوم کو پیدا کیا ہے، لیکن عدم آباد کے رہنے والوں نے ان زندہ افراد میں خیالات و جذبات

لے یعنی وہ حالت جس میں انسان کے جذبات، خیالات اور اعمال کا طور و اضطرار ہی طور پر بلا قصد و ارادہ ہوتا ہے،

کی روح پھونکی ہے،

زمانہ کی حرکت کا مبداء مردون ہی کی بڑیاں ہوتی ہیں، کیونکہ قوم صرف مادیات میں اپنے اسلاف کی پیروی نہیں کرتی، بلکہ وہ اون کے جذبات و احساسات سے بھی متاثر ہوتی ہیں۔ اگرچہ کوئی قوم نفع جو ان کی تکوین کی طرح، مزاج عقلی پیدا کرنے میں بہت زیادہ طویل زمانے کی محتاج نہیں ہوتی، تاہم یہ مزاج چند دنوں میں بھی نہیں پیدا ہو جاتا چنانچہ اسکے ثبوت میں فریج قوم کو پیش کیا جاسکتا ہے جسکے جذبات و احساسات میں پوری دس صدیوں کے بعد اتحاد پیدا ہوا ہے، اور اب تمام قوم کے قالب میں ایک روح نظر آتی ہے، باہم یہ عمل تولید اب تک مکمل نہیں ہوا ہے، اور شورشِ فرانس کا بڑا سبب اسی خمیر کی خافی گذشتہ زمانہ میں ملکِ فرانس مختلف فرقوں کا مرکز تھا، اور ہر گروہ کے خیالات و احساسات باہم نہایت مختلف تھے، اس بنا پر ایسی مختلف لاجناس قوم کو دفعۃً متحد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ فرانس میں اکثر اوقات جو جھگڑے اوٹھ کھڑے ہوتے ہیں اسکا سبب بھی یہی ہے لیکن **انگلستان** میں یہ اتحاد جبہ کمال کو پہنچ گیا ہے، وہاں ہر فرقہ ایک ہی رنگ میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے، اور اس امتزاج نے ادن میں وہ اصول ثلاثہ پیدا کر دیئے ہیں جن سے اس قوم کی روح پیدا ہوئی ہے، یعنی انگریزوں کا (۱) احساس عام ہے (۲) اونکے فوائد عام ہیں (۳) اونکے عقائد عام ہیں، اور دنیا میں جب کوئی قوم اتحاد و امتزاج کے اس درجہ پر پہنچ جاتی ہے تو خود بخود غیر محسوس طور پر تمام افراد اپنے فوائد میں متحد ہو جاتے ہیں، اور منازعات و خصامات کے اسباب کا قلع و قمع ہو جاتا ہے، جذبات، خیالات، عقائد، اور منافع عامہ کا اتحاد ایک ایسی چیز ہے، جو مزاج عقلی کے اتحاد کو مستقل اور پائیدار بنا دیتا ہے، اور اسکے ذریعہ سے ہر قوم تسلط عام حاصل کر لیتی ہے، قدیم زمانہ میں روما کو اسی کے بدولت

عروج حاصل ہوا تھا اور آج انگلستان اسی کے بدولت معراج کمال کو پہنچ گیا ہے، لیکن جب اتحاد کا یہ شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے تو قوم کی جمعیت بھی ٹوٹ جاتی ہے،

یہ مادی جذبہ، خیالات، اور رسوم و عقائد جسے انسانی جماعت کی روح پیدا ہوتی ہے، ہر زمانہ اور ہر قوم میں موجود تھے، لیکن ادن کو بتدییج ترقی حاصل ہوئی، اس روح کا مظہر اول خاندان تھا، پھر اس سے منتقل ہو کر وہ گاؤں میں پہنچی، گاؤں سے ٹکڑاؤں کے شہر کو اپنا مرکز بنایا، پھر تمام ملک میں پھیل گئی، اور اب چند روز سے تمام دنیا کے غالب میں نظر آ رہی ہے، چنانچہ اس زمانہ میں وطنیت کا خیال اسی روح نے پیدا کیا ہے، کیونکہ جب تک یہ روح کامل نہیں ہوتی یہ خیال تاریکی میں چھپا ہوا رہتا ہے، یونان میں یہ روح صرف شہر تک محدود تھی اور ملک کا ہر فرد دوسرے سے بیگانہ تھا، اسی بنا پر وہاں وطن پرستی کو ترقی نہیں ہوئی اور ملک میں ہمیشہ جنگ و خونریزی کا بازار گرم رہا، اسی طرح ہندوستان میں بھی دو ہزار برس سے دیہاتوں کے سوا کوئی عام ملکی اور قومی اتحاد نہیں پیدا ہوا، اسلئے وہ اس زمانہ سے آج تک غیر قوموں کا جولا نگاہ بنا ہوا ہے، ہر قوم اس میں نہایت آسانی سے حکومت قائم کر لیتی ہے، اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے نکل بھی جاتی ہے، شہریت کا اتحاد اگرچہ جنگی قوت کے لحاظ سے ضعیف ہوتا ہے، اور شہریت کی روح اگرچہ نسبت وطنیت کی روح کے محدود ہوتی ہے، تاہم تمدنی ترقی پر اس کا نہایت گہرا اثر پڑتا ہے، چنانچہ زمانہ قدیم میں اتھینس اور قرون وسطیٰ میں فلورنس اور روم میں اس روح کے تمدنی نتائج کا جلوہ نظر آ سکتا ہے، جب چھوٹے چھوٹے شہروں اور ملکوں پر ایک طویل زمانہ گزر جاتا ہے، اور وہ باہم ایک دوسرے سے علیحدہ اور بے تعلق رہتے ہیں تو ادن میں ہر ملک اور ہر شہر کی ایک مستقل اخلاقی روح پیدا ہوجاتی ہے جو دوسرے

سے اس قدر مختلف اور بے میل ہوتی ہے کہ انکی باہمی ترکیب امتزاج سے ایک متحدہ قومی روح نہیں پیدا ہو سکتی، اور اگر کبھی موانع و عوائق کے فقدان سے ایسا ممکن بھی ہوتا ہے تو یہ عمل ترکیبی چند دنوں میں مکمل نہیں ہوتا، بلکہ اسکے لئے ایک ماہ و راز کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ دشوار اور بسا اوقات جیسے مدبرین کا محتاج ہوتا ہے، بعض حالتوں میں اگرچہ اشتنائی اسباب کے اثر سے بعض ملک (مثلاً اٹلی) دفعۃً ایک متحدہ سلطنت کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں، لیکن یہ خیال صحیح نہیں کہ انھوں نے اس انقلاب کے ذریعہ سے اپنے اندر کوئی مشترکہ قومی روح بھی پیدا کر لی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم اٹلی میں مختلف فرقوں کو دیکھتے ہیں، جن کا انتساب خاص اپنے وطن کی طرف ہوتا ہے، لیکن ہم کو وہاں خالص اٹالین نظر نہیں آتے،

ہر وہ قوم جو شاندار تمدن اور قدیم تاریخ کا سرمایہ رکھتی ہے، جب تک اوس کی حالت میں تو صد ویکرنگی نظر آئے اوسکو مصنوعی یا تاریخی قوم کا لقب یا موزون ہوگا، زمانہ موجودہ میں ہر وحشی مالک کے فطری اور نیچرل قوموں کا وجود نظر نہیں آتا، ہم کو صرف وحشی مالک ہی میں خالص اور بے میل قوم نظر آ سکتی ہے، یہ تمام متحدہ قومیں تو بالکل تاریخی اور مصنوعی قومیں ہیں، لیکن ہم کو فطری اور مصنوعی قوموں کے تفریق کی ضرورت نہیں، ہمارا موضوع بحث دونوں کو شامل ہے، ہم صرف ان اوصاف سے غرض رکھتے ہیں جو ہر قوم میں ایک طویل زمانے کے بعد پیدا ہو جاتے ہیں، اور چند صدیوں کے بعد ایک ایسی مستقل صورت اختیار کر لیتے ہیں جو ہر قوم کو دوسرے سے ممتاز کر دیتی ہے،

دوسری فصل

کسی قوم کے اخلاق میں کما بیش تغیر پیدا ہو سکتا ہے؟

بظاہر یہ ایک قاعدہ سترہ معلوم ہوتا ہے، کہ ہر قوم کے اخلاق بدلتے رہتے ہیں، اس خیال کے پیدا ہونے کا سبب، خلق اصلی کا قرار دینا، اور خلق ثانوی کا تغیر انسانی اوصاف نفسیہ کا مقابلہ حیوانات نے قائم رہنے والے اور بدلنے والے اوصاف سے، اب دہوا، واقعات تاریخی اور تربیت کا اثر صرف دوسری قسم کے اوصاف نفسیہ تک محدود رہتا ہے، ان اوصاف کے تغیرات مختلف زمانوں کے لحاظ سے اور اسکی مثالیں۔ زمانہ انقلاب کے اعظم رجال۔ ادھکا حال دوسرے زمانوں میں کیا ہوتا؟ غور و خوض کے بعد قومی اوصاف کیونکر قائم رہتے ہیں؟ اسکی مثالیں۔ خلاصہ۔

اگرچہ تمدنی انقلاب کی تاریخ کے دقیق مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر قوم کا عقلی مزاج، نہایت راسخ، مستحکم اور پائدار ہوتا ہے، لیکن بظاہر نشأت و استقلال کے بجائے اس میں ہمیشہ تغیر و تبدل نظر آتا ہے، چنانچہ لوگوں نے تاریخ کا بغور مطالعہ نہیں کیا ہے، اون کو بعض اوقات قوموں کی روح میں ایک تند، تیز، اور عظیم الشان تغیر اور انقلاب محسوس ہوتا ہے، تاہم دنیا یقین کرتی ہے کہ اگر زیر و نون میں اب وہ اخلاق و عادات نہیں پائے جاتے، جو کراٹھویل کے زمانے میں پائے جاتے تھے، اس زمانے کا حیلہ جو اوخاٹین

لے Ramellہ کا نامیت مشہور انگریزی جرنل تھا، رہایا نے جب چارلس کے خلاف بغاوت کی تو اس نے، مین۔ اوکا سرختم ہوا، اور اسکی قوت سے شاہی فوج کو شکست پہنچا شروع ہوئی، چند سال تک گویا عداوت کی حکومت ہی تھی، مین فاکت بائی،

اٹالین، قدیم زمانے کے جنگجو اور دفعۂ ٹوٹ پڑنے والے اٹالین سے کس قدر مختلف ہو؟ اس
 انقلاب کی سب سے زیادہ واضح مثال فرانس ہے، جہاں چند سالوں کے درمیان
 نظام اخلاق میں ایک عظیم الشان تغیر پیدا ہو گیا ہے، جن فریقوں نے شورش فرانس کے
 زمانے میں سبقت، اور ہمیت کی بدترین مثال دنیا کے سامنے پیش کی تھی، وہ اب بھی
 موجود ہیں، لیکن یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اخلاقی قالب بالکل بدگیا، لیکن اس اخلاقی انقلاب
 کے علل و اسباب کی تفصیل سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مادی انواع کی طرح، انواع نفسیہ بھی
 صرف چند اساسی استحکم اور پائدار اخلاقی اوصاف کی ترکیب و امتزاج سے بنتی ہیں، لیکن
 ان اساسی اوصاف کے بالمقابل دوسرے اوصاف ہوتے ہیں، جن میں خاص طور پر انقلاب
 و تغیر کی قابلیت پائی جاتی ہو، یہی اوصاف ہیں جن میں زمانہ کی گردش انقلاب پیدا کرتی ہو،
 ورنہ اصلی اور اساسی اخلاق میں کبھی کسی قسم کا تغیر نہیں پیدا ہوتا، اس کو ایک مادی
 اور واضح مثال میں یون سمجھنا چاہیے کہ بیل کی ظاہری حالت گھاس اور چارہ سے بالکل
 بدل دیا جاسکتی ہے، نباتات میں باغبان حکمت عملی سے اس قدر تغیرات پیدا کر سکتا ہے کہ اونکی
 اصل حقیقت مشتبہ ہو جاتی ہو، باہنہ ان کے نوعی یعنی اساسی اوصاف میں کسی قسم کا تغیر نہیں
 پیدا ہوتا اور وہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہتے ہیں، تغیر جو کچھ ہوتا ہے دوسرے قسم کے
 اوصاف میں ہوتا ہو، بعینہ اسی طرح ہر قوم کے اساسی اخلاق میں کسی قسم کا تزلزل نہیں
 واقع ہوتا، زمانہ بدلتا جاتا ہو، نئی نسل پیدا ہوتی جاتی ہو، ظاہری و باطنی اسباب اثر ڈالتے
 رہتے ہیں، لیکن اخلاق کا یہ سنگ بنیاد اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا، تغیر و تبدل جو کچھ ہوتا ہے،
 ان اوصاف ثانویہ میں ہوتا ہے، جبکہ بیرونی خاص طور پر تغیرات کے لئے آمادہ رہتا ہے،
 تعلیم و تربیت، آب و ہوا، انقلاب زمانہ، غرض دنیا کے تمام اسباب صرف انہی اوصاف

پر اثر کرتے ہیں، اور وہی اونکے اثرات کا منظر ہیں لیکن اس موقع پر اس نکتہ کو یاد رکھنا چاہیے کہ مزاج عقلی اپنے اندر اخلاقی تغیرات کی ایک ایسی مخفی قابلیت رکھتا ہے، جو اکثر اوقات اگرچہ حالات کی نامساعدت سے ظاہر نہیں ہوتی، لیکن جب موافق حالات جمع ہو جاتے ہیں، تو اوسکا ظہور ہوتا ہے، اور اوسوقت قوم ایک نئے قالب میں دنیا کے سامنے نمایاں ہوتی ہے، تاہم جس طرح طوفان کے دریا کی سطح میں ایک غیر معمولی عارضی حرکت پیدا ہو کر چند گھنٹوں میں ٹھہر جاتی ہے، اسی طرح قومی اخلاق کا یہ انقلاب بھی فوری اور وقتی اسباب کا نتیجہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مذہبی اور سیاسی انقلابات کے زمانے میں تمام قوم اون عجیب و غریب اوصاف کا منظر بخاتی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اوس کا قومی نظام اخلاق بالکل بدل گیا ہے اور اوس کے افکار و خیالات نے عظیم الشان انقلاب کی صورت اختیار کر لی ہے، لیکن جب آندھی تھم جاتی ہے تو اوصاف نظر آتا ہے کہ محض عارضی تغیر تھا جو دم کی قوم میں فنا ہو گیا، جو لوگ مذہبی اور سیاسی انقلابات کے علم بردار ہوتے ہیں، ہلکے اور کاغذی اور کاغذی، خود اپنے خیر، اپنے غصہ، اور اپنے آب و گل سے مختلف و مبائن نظر آتے ہیں اور اودن کے کارناموں کو دیکھ کر ہم اپنے آپ کو اونکی ناخلف اولاد سمجھتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ سب کچھ اون غیر معمولی اسباب کا نتیجہ تھا جو نظام اخلاق کو دفعۃً بدل دیتے ہیں، ورنہ فطرۃً وہ لوگ بھی ہماری ہی طرح قوم کے معمولی افراد تھے، جو اخلاقی قابلیت اونہیں تھی وہی ہم میں بھی ہے، صرف فرق یہ ہے کہ اودھوں نے اس اخلاقی نمائش کے لیے موافق زمانہ پایا تھا، اور ہم اوس سے محروم ہیں، شورشِ فرانس کے زمانہ میں ایک ہیرم و سنگدل فرقہ پیدا ہو گیا تھا جو بات بات پر لوگوں کو سخت مزائیں دیتا تھا، لیکن درحقیقت یہ لوگ متوسط طبقے کے امن پسند شہری تھے، اگر شورش کا زمانہ نہ ہوتا تو وہ بھی ہماری طرح

اطمینان و سکون کے ساتھ زراعت، تجارت، اور صنعت و حرفت میں مصروف رہتے لیکن غیر معمولی واقعات نے اون کے نظام عصبی میں غیر معمولی حرکت پیدا کر دی، اسلئے اونھوں نے ایک ایسی خوفناک صورت میں اپنے آپ کو نمایاں کیا جس کے تصور سے بھی ہم عاجز ہیں، اگر سینیٹیں اپنے زمانے کے موسال بعد پیدا ہوا ہوتا تو نہایت متدین، اور صلح پسند، جج ہوتا، اسی طرح اگر سینیٹ جنٹ ہمارے زمانے میں ہوتا تو ایک بہت بڑا پرفیسر ہوتا جو علمی انجنون کے تمنون پر ناز کرتا، چنانچہ نیپولین کے زمانے میں جب یہ اعصاب کی متزلزل کرنے والی آمدی رگ لگئی تو اس نے اسی درندہ صفت فرقہ کو اپنے مدبرانہ طرز عمل سے مزدور، محرم، تحصیلدار اور جج بنا دیا، لیکن شورش، بد امنی، اضطراب، اور ابتلا و امتحان کے زمانے میں بھی کسی قوم کے اساسی اخلاق میں تغیر و تبدل نہیں پیدا ہوتا، زیادہ سے زیادہ یہ فرق پیدا ہو جاتا ہے کہ ان اخلاق کے مظاہر بدل جاتے ہیں، مثلاً انقلاب پسند لوگ جب قدیم استبدادی نظام حکومت کو بدلنا چاہتے ہیں تو ایک ایسا نظام حکومت قائم کرنے میں جو حکام کے تمام امتیازات و اختیارات کو سلب کر لیتا ہے، اس وقت بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اونھوں نے جبر و استبداد کا خاتمہ کر دیا ہے، لیکن ایک مطلق العنان گروہ کو بالکل دست شل بنا دینا بھی استبدادی کی دوسری صورت ہے، اور اس جمہوری نظام میں بھی استبداد ہی کی روح پائی جاتی ہے اس لئے اس حالت میں بھی وہی قدیم نظام قائم رہتا ہے صرف اوسکا قالب بدل جاتا ہے،

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ شخصیت و استبداد قوم کے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے، اور اوسکی روح کا ایک جزو بن گئی ہے، اسی روح کی برکت سے نیپولین نے فتوحات کے ذریعہ سے

شورش فرائض کا ایک مشہور لیڈر، ROBESPICERE

ST. JANT = انقلاب فرائض کا مشہور بانی تھا، اور خود باطنوں ہی کے ہاتھ سے قتل ہوا،

لوگوں پر شخصی حکومت کی چنانچہ اس نے جمہوریت فرانس کو اپنے رعب و اقتدار سے بالکل بدلدیا، تو قوم کے موردِ ثقی خلق یعنی شخص پرستی کا شدت کے ساتھ ظہور ہوا، یہاں تک کہ اگر وہ حاکم مطلق نہ بن گیا ہوتا، تو کوئی دوسرا شخص اس کے جھنڈے کو بلند کرنے کے لیے اوٹھ کھڑا ہوتا، چنانچہ پچاس سال کے بعد جب اس کے ہمنام نیپولین نے استبدادی نظام کو قائم کیا تو تمام لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے اس شوق کے ساتھ جمع ہو گئے کہ گویا آزادی سے گھبرا کر غلامی پر ڈوٹے پڑتے ہیں، اس بنا پر حقیقت انقلاب نے نیپولین کی حکومت کا منارہ نہیں بلند کیا بلکہ قوم کی اس شخص پرست روح نے جو اس کے پائے آئینہ کے سامنے سر بسجود ہو گئی تھی،

انسان پر آب و ہوا، اور جغرافیہ حالات کے اختلاف کا اثر شدت کے ساتھ صرف اس بنا پر پڑتا ہے کہ اس سے انسان کے وہ اخلاق و عادات متاثر ہوتے ہیں جن میں فطرۃ تغیر و تبدل کی صلاحیت ہوتی ہو اور جن کو صحیح طور پر اساسی اخلاق کا حریف مقابل کہا جاسکتا ہے، لیکن اصلی اخلاق میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، چنانچہ ایک من پسند صاحب وقار آدمی بھی جب بھوک کی شدت سے بیتاب ہو گا تو گو وہ حالت اضطراب میں اپنے ہم جنسون کو پھاڑ کھانے کے لیے دوڑے گا، لیکن با اینہم اس عارضی حالت میں کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی اصلی فطرت بدل گئی،

جب کسی ملک میں تمدن و متفاد گر وہ پیدا کر دیتا ہے، یعنی ایک دولت کی بہشت سے شب و روز عیش و طرب میں مصروف رہتا ہو، اور دوسرے گروہ کے پاس ضروریات زندگی کے پورا کرنے کا سامان بھی نہیں ہوتا، تو اس وقت ملک میں بددلی، بھینپی اور مختلف قسم کی شورش پیدا ہوتی ہو، لیکن ان انقلابات کے تہ میں بھی قوم کے اساسی اخلاق کی جھلک صاف نظر آتی ہو، چنانچہ ولایات متحدہ امریکہ کے انگریزوں نے وہاں کی خانہ جنگی کے

زمانہ میں عزم و استقلال کی جو مثال قائم کی تھی، وہی مثال اب شہروں کے آباد کرنے
یونیورسٹیوں کے بنانے، اور کارخانوں کے چلانے میں دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں، اس کے
ثابت ہوتا ہے کہ اساسی اخلاق میں کبھی تغیر نہیں ہوتا، صرف اوس کے مظاہر بدلتے رہتے ہیں،
حاصل یہ کہ اگر ہم مزاج عقلی کے تمام موثرات کو پیش نظر رکھیں تو صحت نظر آئے گا کہ
اون سے صرف وہ اخلاق متاثر ہوتے ہیں، جو اساسی اخلاق کے حریف مقابل ہیں خود
اساسی اخلاق میں کوئی تغیر نہیں پیدا ہوتا، اگر اساسی اخلاق میں کوئی تغیر ہوتا بھی ہے، تو اس کا ظہور
ایک طویل زمانے کے بعد ہوتا ہے، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ قوم کے اخلاق نفسیہ میں تغیر
و تبدل کی سر سے صلاحیت ہی نہیں بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ قوم کی جسمانی ترکیب رنگ
روپ، ذیل ڈول، اور خط و خال کی طرح وہ نہایت مستحکم اور پائدار ہوتے ہیں اور
اسی پائدار می کی بنا پر کسی قوم کا نظام اخلاق مدتوں کے بعد بدلتا ہے،

تیسری فصل

قوموں کے طبقات نفسیہ

تقسیم طبعی کی طرح قوموں کی تقسیم نفسی کا دار و مدار بھی چند غیر متبدل اوصاف پر ہے، قوموں کی تقسیم نفسی۔ ابتدائی توہین۔ اقوام غیر متدنہ، اقوام متوسطہ، اقوام متدنہ، وہ عناصر نفسیہ جن پر اس تقسیم کا دار و مدار ہے، خلق۔ ادب۔ یہ بحث کہ عقلی اوصاف تربیت سے بدل سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ کہ کسی قوم کے اخلاقی اوصاف نہیں بدل سکتے تاہم پُران اوصاف کا اثر۔ اس امر کا سبب کہ مختلف توہین ایک دوسرے کی حقیقت کو نہیں سمجھتیں اور نہ باہم ایک دوسرے سے متاثر ہوتیں، اس امر کا سبب کہ کیوں متدن قوموں کے تمدن و تہذیب غیر متدن قوموں میں منتقل نہیں ہو سکتے،

تاریخ طبعی کی کتابوں میں انواع کی جو تقسیم کی گئی ہے، اس کا دار و مدار صرف اون اساسی اوصاف پر ہے، جنگی تعداد نہایت قلیل ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ علمائے طبیعیات نے تقسیم انواع میں صرف اون اوصاف کا لحاظ رکھا ہے، جو غیر متبدل ہیں، انکے سوا دوسرے درجہ کے تمام بدلنے والے اوصاف کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے، اوصاف نفسیہ کے لحاظ سے بھی اقوام کی تقسیم اسی اصول پر کی جاسکتی ہے، چنانچہ اگر ہم ایک فرد کا دوسرے فرد کے ساتھ، اور ایک قوم کا دوسری قوم کے ساتھ، اخلاقی موازنہ کریں، تو ہم کو اون کے اخلاق و سعادت میں عظیم الشان فرق نظر آئے گا، لیکن اگر ہم صرف اساسی اخلاق کو پیش نظر رکھیں تو گو اس فرق و امتیاز کا دائرہ بالکل تنگ ہو جائے گا، لیکن ہم آگے چل کر متعدد مثالوں سے ثابت

کردین گے کہ تو نوکی زندگی کا د ار د اصر ن انہی قلیل التعداد اوصاف پر ہے،
 ان اوصاف کے لحاظ سے اگرچہ قوموں کی تقسیم کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہر قوم کے
 اوصاف نفسیہ کی تفصیل کی جائے، لیکن اس بحث کے لئے ضخیم جلدوں کی ضرورت ہوگی،
 اس بنا پر ہم نے اختصار کی غرض سے اس طریقہ کو کلی طور پر بیان کیا ہے،
 عام اخلاقی اوصاف کے لحاظ سے قوموں کی تقسیم چار قسموں میں کی جاسکتی ہے،
 (۱) ابتدائی قومیں۔ (۲) اقوام غیر متہذہ۔ (۳) اقوام متوسطہ، (۴) اقوام متہذہ۔
 (۱) ابتدائی قوموں سے وہ قومیں مراد ہیں، جو تعلیم و تہذیب سے بالکل بے بہرہ
 ہیں، اور انکی زندگی جانور دن سے مشابہ ہے، انسانی زندگی کا یہ وہ دور ہے جو ہمارے
 آباء و اجداد پر عصر حجر میں گزر چکا ہے، اور اس زمانہ میں فحشی اور آسٹریلیا میں بھی اس
 قوم کے نمونے نظر آتے ہیں،

(۲) اقوام غیر متہذہ کی اخلاقی سرحد بھی انہی قوموں سے ملتی ہے جی ہوتی ہے، اوکی نمایاں مثال
 حبشی لوگ ہیں، جنہیں تمدن و تہذیب کی جھلک ضرور موجود ہے، لیکن صرف جھلک ہی جھلک ہے،
 اس سے زیادہ اور کچھ نہیں، انکی تاریخ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے وحشیانہ
 تمدن کے آگے کبھی قدم نہیں رکھا، اور اگر بہت زیادہ اونچے اڑے تو کبھی کبھی غیر قوموں کے
 خوان تمدن کی زلہ ربائی کر لی،

(۳) اقوام متوسطہ میں چینی، جاپانی، ترک، عرب، اور یہود وغیرہ شامل ہیں، ان قوموں
 نے اس قدر عظیم الشان تمدنی ترقیاں کی ہیں کہ یورپ کی متہذہ قوموں کے سوا کوئی قوم

اسے دینی دہ زمانہ میں بن انسان صرف پتھر کے آلات سے کام لیتا تھا،

(۴) F. J. A. محبہ و تہذیب میں تہذیب کے قریب ہے، اور وہ انگریزی حکومت قائم ہے،

اون سے آگے بڑھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتی،

(۴۲) اقوامِ تمدن میں صرف انڈو یورپین (آریں) قوموں کو شمار کیا جاسکتا ہے، صرف یہی ایک ایسی قوم ہے جس نے اختراع و ایجاد، ہنر و صنعت و حرفت، اور علوم و فنون میں اپنے کمال کا اظہار کیا ہے، زمانہ قدیم یعنی یونان اور روم کے دور ترقی میں بھی وہ تمدن و تہذیب میں نمایاں تھی، اور آج بھی نمایاں ہے، آج تمدن کو اس درجہ تک اسی قوم نے پہنچایا ہے، اور بخار و کھربا کی تحقیق و انکشاف اسی کا کارنامہ ہے، اس قوم میں سب سے کم ترقی یافتہ ہندی نسل ہے، لیکن اس نے بھی فنون لطیفہ، لٹریچر، اور فلسفہ میں اس قدر ترقی کر لی تھی کہ ترک چینی، اور عرب اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے،

اخلاقی اور عقلی اوصاف کے لحاظ سے اگرچہ یہ چاروں قومیں باہم اس قدر مختلف ہیں کہ اون کو بہ یک نگاہ پہچان لیا جاسکتا ہے، لیکن جب خود ان قوموں میں ہر قوم کو الگ الگ شناخت میں تقسیم کرنا پڑتا ہے، تو سخت دقت واقع ہوتی ہے، مثلاً انگریز، روسی اور اسپینی سب کے سب اگرچہ اقوامِ تمدن میں داخل ہیں تاہم ہم کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ اون کے درمیان عظیم الشان فرق مراتب موجود ہے، اس بنا پر جو شخص اس کو نمایاں کرنا چاہتا ہے، اس کا ضروری فرض یہ ہے کہ وہ الگ الگ ہر قوم کے نظام اخلاق پر بحث کرے، لیکن ہم مثال کے طور پر صرف دو قوموں کو لیتے ہیں، اور ان کے اون اساسی عناصر اخلاق سے بحث کرتے ہیں، جن کے ذریعہ سے دو قوموں میں امتیاز کی جاسکتی ہے، ابتدائی اور غیر تمدن قوموں میں کم و بیش یہ وصف مشترک طور پر پایا جاتا ہے، کہ اون میں تعقل کا مادہ نہیں ہوتا، یعنی اون میں یہ قدرت نہیں ہوتی کہ مستقبل و حال کے خیالات و محسوسات کے باہمی موازنہ و مقابلہ سے کوئی ایسا نتیجہ اخذ کریں جن کے ذریعہ سے وہ مختلف زمانوں کے حالات میں فرق نظر آئے، ہم کو اس کلیہ کی وضاحت کے لیے بہت زیادہ وحشی قوموں کے

حالات کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ غور و پورپ کی ادنیٰ وجہ کی قوموں کا بھی
یہی حال ہے، اس عقلی دراندگی کا سبب صرف یہ ہے کہ ان قوموں میں نقد و بحث کا مادہ
بالکل نہیں ہوتا، اس لئے نہایت سرعت کے ساتھ ہر بات کی تصدیق کر لیتی ہیں، اس کے
بخلاف تمدن انسانوں میں خیالات کے انضباط، انکی تنقید، اور ان سے مناسج اخذ کرنا
فطری ملکہ موجود ہوتا ہے،

اسی طرح ہم کو اقوام غیر تمدن میں غور و خوض کا مادہ کم، اور تقلید کا مادہ زیادہ نظر آتا ہے،
وہ عموماً جزئیات سے غلط نتائج پیدا کرتی ہیں، وہ نتائج استقرار کی کے اخذ کرنے میں کوتاہ نظر
ہوتی ہیں، انکی اخلاقی حالت ہر وقت بدلتی رہتی ہے، کام کرتے وقت جو کچھ انکی سمجھ میں آ جاتا ہے،
وہی ان کا دستور العمل ہوتا ہے،

انہی باتوں کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ تمام قوموں سے پیچھے پڑی ہوئی ہیں، اور اس وقت تک
اسی حالت میں رہیں گی جب تک ان میں جذبات پر حکومت کرنے کی صلاحیت نہ پیدا ہو جائے،
یعنی جب تک وہ ایسا قومی ارادہ نہ پیدا کر لیں جو ان کے نفس کو قابو میں رکھ سکے، وہ ترقی نہیں
کر سکتیں، کیونکہ یہی وہ درجہ ہے جہاں پہونچ کر ہر قوم نظام عمل کی حقیقت کو سمجھتی ہے، اعلیٰ مقاصد
کے لئے قربانی کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے، اور تمدنی مدارج کو طے کرتی ہے، درحقیقت ہر قوم کے
اخلاقی معیار کے قائم کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ یہ پتہ لگایا جائے کہ اس قوم میں جذبات و
خیالات پر قابو رکھنے کی کس قدر قدرت ہے؟ گذشتہ زمانہ میں رومن اور موجودہ دور میں
انگریزوں اور امریکن لوگوں میں جذبات کے قابو میں رکھنے کا فطری ملکہ شدت کے ساتھ
موجود ہے، اور اسی ملکہ نے ان کو اس عظیم الشان تمدنی درجہ تک پہونچا دیا ہے،

ہم بتا چکے ہیں کہ مزاج عقلی اور عناصر نفسیہ کے مجموعہ کا نتیجہ ہے، جسکی تفصیل ادھر گذر

چکی ہو، اور صرف اسی مجموعہ کے ارتقائی مدارج، اور اسی مزاج عقلی کو افراد و اقوام کا ماہر الامتياز و صف قرار دیا جاسکتا ہو،

ان عناصر نفسیہ میں بعض کا تعلق اخلاق سے، اور بعض کا دماغ یعنی ذہانت و طباعی سے ہوتا ہو، اگرچہ اقوام تمدنہ، دوسری قوموں سے، اخلاق، اور ذہانت و لون میں ممتاز ہوتی ہیں، لیکن خود اقوام تمدنہ کے مختلف طبقات میں صرف اخلاق کے ذریعہ سے تفریق و امتیاز کی جاسکتی ہو، چونکہ یہ ایک نہایت اہم تمدنی نظریہ ہے اسلئے ہم اس پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کرتے ہیں،

اخلاق کی تولید صرف چند عناصر مخصوصہ کے امتزاج و ترکیب سے ہوتی ہو، جن کو علم النفس کی اصطلاح میں احساس اور شعور کہتے ہیں، ان میں ملکات ارادیہ مثلاً اقدام، عزم اور ضبط نفس، کو اخلاق کی تولید میں سب سے زیادہ دخل ہو، اخلاق کی تولید کا ایک موثر سبب ادب یعنی قدیم قومی نظام کا وہ احترام بھی ہو جس پر قومی زندگی کا دار مدار ہو اور ہر قوم اپنی عملی زندگی میں اسکو ہمیشہ پیش نظر رکھتی ہے، اگرچہ اس نظام کے اصول و قواعد زمان و مکان کے تغیر و تبدل کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں، لیکن جب وہ وراثت کے ذریعہ بالکل ملکہ فطری بنجاتے ہیں تب اس میں ثبات و استحکام پیدا ہو جاتا ہے،

تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے اگرچہ اوصاف عقلیہ میں سیکندر تغیر پیدا ہو سکتا ہو، لیکن اخلاقی محاسن پر تربیت کا کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ سچ ہے کہ جو لوگ ضعیف القلب، اور ضعیف الارادہ ہوتے ہیں، ان کے اخلاق پر تربیت کا اثر پڑتا ہو، لیکن اس قسم کی نرم اور اثر پذیر طبیعت صرف قوم کے افراد کی ہو سکتی ہو، خود قوم میں مجموعی حیثیت سے اس کا وجود نہیں پایا جاتا اور اگر کسی قوم میں اس اثر پذیر کی کا مادہ عام ہو جائے تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ اس کے

تنزل و انحطاط کا زمانہ ہے،

علمی مسائل، اور عقلی انکشافات ایک قوم سے دوسری قوم میں نہایت آسانی کے ساتھ منتقل ہو جاتے ہیں اور اسی بنا پر علم، انسان کی ملکیت عام بن گیا ہے، جس میں کسی قوم کی روک ٹوک نہیں ہے، لیکن ہر قوم کا بڑا بھلا اخلاق اسی قوم کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی تک محدود رہتا ہے، کیونکہ اسکی ترکیب اور مستقل عناصر سے ہونی ہے جسکے ذریعہ سے ہر تمدن قوم کا مزاج عقلی دوسری قوم سے ممتاز ہو جاتا ہے، خلق و حقیقت پھر کی ایک چٹان ہے جس پر طوفان خیر و بوجہ کے پتھریڑوں کا کچھ اثر نہیں پڑتا، اور جس طرح انواع و اقسام مادہ میں مچھلی کے لئے تیرنا، چڑیوں کے لئے چوہنچ و رندوں کے لئے دانت، فصل میز کا کام دیتے ہیں اور ادن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، اسی طرح ہر قوم کا اخلاق بھی اسکی فصل میز ہے جو کبھی نہیں بدل سکتی،

ہر قوم میں انقلابات و تغیرات صرف اخلاق ہی کے ذریعہ سے ہوتے ہیں اور وہی ادن کے مستقبل کا سنگ بنیاد رکھتا ہے، انسان جن چیزوں کو اپنے اعمال کی علت قرار دیتا ہے وہ حقیقت علت نہیں ہوتا بلکہ ادن کی تہ میں صرف اخلاقی روح کام کرتی ہے، لوگ اپنے عقیدہ کے موافق کہتے ہیں کہ یہ کام نیت و اتفاق سے ہو گیا، یہ مقصد خدا کی مہربانی سے برآیا، یہ بات تقدیر سے ہو گئی، لیکن یہ تمام خیالی چیزیں ہیں، ادن کا اصلی سبب صرف اخلاقی روح ہے،

قومی زندگی کی بنیاد صرف اخلاق ہی کے ستون پر قائم ہے، عقل اور دماغ کا حصہ دسمین بہت کم ہے، رومن قوم اپنے تنزل و انحطاط کے زمانے میں عقلی حیثیت سے اپنے آبا و اجداد کی بہ نسبت زیادہ طاقتور تھی تاہم چونکہ اپنی آبائی درانت یعنی اقام، عزم، شجاعت، جانا بازی غرض ادن تمام اخلاق کو جن کے ذریعہ سے ادن کے آبا و اجداد نے ترقی کی تھی، کھو چکی تھی، اسلئے

بالآخر تشرن کے غار میں گر پڑی،

اخلاق ہی کی استواری نے ہندوستان کے تیس کروڑ باشندوں کو ساٹھ ہزار انگریزوں کا غلام بنا دیا ہے، حالانکہ عقلی حیثیت سے ہندوستان میں بہت سے لوگ ہیں جو انگریزوں کے دوش بدوش کھڑے ہو سکتے ہیں، بلکہ بعض کو فلسفیانہ مباحث میں اور پرترجیح دیکھا سکتی ہے، ہندوستان ہی کی تخصیص نہیں بلکہ اخلاق ہی نے انگریزوں کو نوآبادیوں کی اوس عظیم نشان سلطنت کا حاکم بنا دیا ہے جس کی نظیر سے دنیا کی تاریخ خالی ہے،

جماعت انسانی کا نظام، مذہب کی بنیاد، سلطنتوں کا معیار، صرف اخلاق کی سطح پر قائم عقل کو اوس میں کوئی دخل نہیں، تمام تو میں اخلاق ہی کے ذریعہ سے حسن حرکت کرتی ہیں، اور صرف غور فکر کرنے سے دنیا کا کام نہیں چلتا، لیکن ہر قوم اپنے مزاج عقلی کے موافق اپنا ایک

علم النفس کے علماء کے نتائج اعمال کی بے اثری اور کمی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تحقیقات کو صرف عقلی مسائل تک محدود کر دیا ہے اور اخلاقی مباحث کی طرف سے انہیں بند کر لی ہیں، میری دانست میں صرف موسیو پو لہان نے رسالہ اخلاق میں اخلاق کی اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے، اور بتایا ہے کہ صرف اخلاق ہی قوموں کے مزاج عقلی کو پیدا کر سکتا ہے، ایک اور عالم موسیو ریچونے بھی چند اوراق میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے، وہ کہتا ہے کہ ”عقلی انقلابات میں ذہانت دوسرے درجہ کا انقلاب ہے، اصلی سنگ بنیاد صرف اخلاق ہے جب عقل غیر معمولی نشو و نما حاصل کرتی ہے تو اکثر اخلاق کو ناکار دیتی ہے، اس بنا پر اقوام نفسیہ کی بحث اور ان کے باہمی تقابلیں ہمیشہ اخلاق کو پیش نظر رکھنا چاہیے کیونکہ علم اخلاق کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، وہ قوم کی تاریخ کا مخدہ ہے، اس قوم کے مدیر کو راہ ہدایت ملتی ہے، اور اگر یہ شکل ہوتی کہ وہ کارخانہ میں نوکراؤں کے اندر ان میں نہیں مٹا، بلکہ اس کی تحقیق کے لئے نئے نئے دفاتر لگائے جاتے ہیں، اور مختلف قوموں کے حالات سے واقفیت حاصل کرنی ہوتی ہے تو حقیقت یہ نہایت عجیب بات ہوتی کہ علماء نے آج کل سرفن کو مدون نہیں کیا بلکہ ہر قوم کو علم النفس کے مصنفین جدیدین کوئی شخص اور انہیں اس شخص کی مراد سے کہہ کر کہا کہ وہ پہلے مباحث کو چھوڑ کر علم الشریعہ اور فرائض کی طرف زیادہ مائل نظر آتے ہیں،

خاص نظام زندگی مرتب کرتی ہو اور اس پر عمل پذیر ہوتی ہو، اس خصوصیت کی وجہ یہ ہو کہ ہر انسان پر اشیا خارجی کا ایک خاص اثر پڑتا ہو اور اس مخصوص اثر کی بنا پر اس میں ایک خاص خیال اور ایک خاص احساس پیدا ہو جاتا ہو اور وہ اس کے لئے ایک خاص طسریقہ عمل مقرر کر دیتا ہو، جو ان لوگوں سے بالکل مختلف ہوتا ہو، جن کا مزاج عقلی اور اس سے مختلف ہو، اس سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ باہم مزاج عقلی میں اختلاف رکھتے ہیں وہ ایک دوسرے کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتے،

اخلاق کا یہی اختلاف قومی منافرت کا سنگ بنیاد ہو، اور جو لوگ تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں جب تک ان کو یہ معلوم نہ ہو کہ ہر قوم احساس عقل، اور عمل میں دوسری قوم سے مختلف ہوتی ہو، اور اس اختلاف کی بنا پر کوئی قوم دوسری قوم کی حقیقت کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتی، ان کا مطالعہ نتیجہ خیز نہیں ہو سکتا، یہ سچ ہے کہ مختلف قوموں کی زبانوں میں بہت سے الفاظ مراد ہوتے ہیں، لیکن اس اتحاد معنوی کے ساتھ یہ الفاظ ہر قوم کے ولین جو جذبات و خیالات پیدا کرتے ہیں، وہ باہم مختلف ہوتے ہیں، قومی خیالات کے اختلافات کا صحیح اندازہ صرف اس شخص کو ہو سکتا ہو جو غیر قوموں کے ساتھ ایک مدت تک زندگی بسر کرے، ان کی زبان سیکھنے اور انہی کی سی تربیت پائے، ان خیالات سے واقف ہونے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ مختلف قوموں کے تمدن و مواد و عورت میں زناشوی کے تعلقات پیدا کیے جائیں، اس حالت میں عقلی حیثیت سے دونوں میں عظیم الشان فرق نظر آئے گا، یعنی عورت جس قدر تعلیمی ترقی کرتی جائیگی دونوں کے مصلح اور دونوں کے احساسات میں اشتراک و اتحاد پیدا ہوتا جائیگا لیکن معقولانہ کی ترتیب و تنظیم میں دونوں کا قیامت تک اتفاق نہ ہوگا، کیونکہ دونوں کے مزاج عقلی میں سخت اختلاف ہو اسلئے اشیا خارجی کا جو اثر ایک پر پڑتا ہو، وہ دوسرے پر نہیں پڑ سکتا،

مزاج عقلی کے اسی اختلاف کی بنا پر تمدن تو میں اپنے تمدن و تہذیب کو غیر متہدن قوموں میں منتقل نہیں کر سکتیں، جو لوگ دنیا میں صرف عقلی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور خیال کر رہے ہیں کہ تعلیم اس مشکل کو حل کر دے گی، تمام دنیا نے اون کی رائے کو قبول کر لیا ہے، لیکن میرے نزدیک اس سے زیادہ مضر اور اس سے زیادہ بے اثر کوئی خیال نہیں ہو سکتا، بے شبہ ایک غیر متہدن آدمی اپنی فطری قوت حافظہ سے یورپ کے تمام علوم و فنون پر حاوی ہو سکتا ہے، بے شبہ ایک حبشی، یا ایک جاپانی نہایت آسانی کے ساتھ پیرشری کی سند حاصل کر سکتا ہے، لیکن با اینہم اس پر ان علوم و فنون کا صرف سطحی رنگ چڑھ سکتا ہے جس سے اس کا مزاج عقلی متاثر نہیں ہو سکتا، اسلئے یورپین و مانگوں کے غور و فکر کا طریقہ، بالخصوص یورپین اخلاق و عادات اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم بھی اون میں نہیں پیدا کر سکتی، کیونکہ وہ صرف وراثت ہی کے ذریعہ سے پیدا ہو سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک حبشی یا ایک جاپانی تمام ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد بھی اخلاقی حیثیت سے ایک معمولی یورپین کی بھی ہمسری نہیں کر سکتا، وہ دس برس کی مدت میں اون تمام علوم و فنون کو حاصل کر سکتا ہے جن کو ایک انگریز حاصل کرتا ہے، لیکن وہ ہزار برس میں بھی عملی طور پر انگریز نہیں بن سکتا، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی قوم آسانی کے ساتھ اپنی زبان، اپنے عقائد، اور اپنے نظام زندگی کو بدلنا چاہتی ہو تو یہ تغیر صرف ظاہری اور سطحی ہوتا ہے، البتہ جب وہ پہلے اپنی قومی روح میں تغیر پیدا کر لیتی ہو تو ان چیزوں میں بھی حقیقی تغیر پیدا ہو جاتا ہے،

پہچوٹی فصل

قوموں کے افراد کے درمیان فرق مراتب

کوئی قوم جس قدر ترقی کرتی ہے، اس کے افراد میں ایسی قدر فرق مراتب پیدا ہو جاتا ہے، غیر متمدن قوموں کے افراد تو اسے عقلیہ میں مساوی المربہ ہوتے ہیں، قوموں کے فرق مراتب کا اندازہ صرف طبقہ اعلیٰ کے باہمی موازنہ سے ہو سکتا ہے، طبقہ متوسطہ کو اس میں دخل نہیں، اقوام افراد کے درمیان تمدنی ترقی سے یہ فرق مراتب اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے، اس فرق مراتب کا نتیجہ، ان اسباب نفسیہ کی بحث جو اس فرق مراتب کی وسعت کو روک دیتے ہیں، متمدن اقوام کے افراد میں تو اسے عقلیہ کے لحاظ سے بہت بڑا فرق ہوتا ہے، لیکن اخلاق میں یہ فرق کم نظر آتا ہے، قانون توارث ہمیشہ ترقی یافتہ افراد کو ایک معتدل قومی ردش کی طرف لیجاتا ہے، علم تشریح کے وہ مشاہدات جن سے اقوام، افراد اور انواع کے اس تبدیلی فرق مراتب کی تائید ہوتی ہے،

متمدن، اور غیر متمدن قوموں کے درمیان صرف نفسانی اور جسمانی امتیازات کی حد فاصل حاصل نہیں ہوتی، بلکہ جو عناصر ہر قوم کی تکوین کا ایہ خمیر ہیں، ان میں بھی یہ دونوں قویم ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں، غیر متمدن قوموں کے تمام افراد یعنی مرد اور عورت دونوں کی عقلی سطح تقریباً یکساں اور ہموار ہوتی ہے، اور

اسی وجہ سے ادن میں وہ عام مساوات پائی جاتی ہے، جس کا خواب اس زمانے کے سوشلسٹ دیکھا کرتے ہیں، لیکن ترقی یافتہ قوموں کے افراد بلکہ انواع میں بھی اس حیثیت سے عظیم انسان فرق ہوتا ہے، لیکن ان قوموں میں بھی چونکہ تمدن کا اثر طبقہ متوسط پر کم پڑتا ہے، اس لئے وہ اس فرق و امتیاز کا معیار نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ اس فرق مراتب کا اندازہ صرف قوم کے طبقہ اعلیٰ کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے،

چنانچہ چین، یورپ، اور ہندوستان کے طبقات عالیہ ہی میں یہ فرق مراتب زیادہ نظر آتا ہے، اور طبقہ متوسط میں اوس کی خفیف سی جھلک پائی جاتی ہے، تمدن کو جس قدر ترقی ہوتی جاتی ہے، اوسی قدر اس فرق مراتب کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے، بالخصوص اقوام تمدن کے افراد میں تو اس دائرہ کا محیط اور بھی زیادہ وسیع ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے خلافت توقع تمدن انسان میں عقلی مساوات کی جگہ فرق مراتب و امتیاز پیدا کرتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تمدن کے زمانہ میں عقلی مشاغل کا میدان وسیع ہو جاتا ہے، اور روبرو بزرگ وسعت بڑھتی جاتی ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو قوم یا جو طبقہ ان عقلی امور میں جس قدر زیادہ ترقی کرتا ہے، اوسی قدر وہ دوسری قوموں سے ممتاز ہو جاتا ہے،

مثال کے طور پر کسی صنعت کو لے لو تو وہ قوم کو تمدن قوموں کے معمولی طبقہ میں ایک ایسی محدود شکل میں نظر آئے گی، جس سے ادن کی عقلی قوت کو ترقی کا کوئی موقع نہیں ملتا بلکہ وہ روز بروز اور بھی ضعیف ہوتی جاتی ہے، آج سے سو برس پہلے وہ شخص بڑا ضعیف خیال کیا جاتا تھا جو گھڑی کے تمام پرزوں کو بنا سکتا تھا لیکن اوسکی تمام عمر صرف ادنیٰ چند پرزوں کے تراشنے اور ان کے جلا دیے میں صرف ہو جاتی تھی، اور اس سے زیادہ اوسکو عقلی ترقی کا موقع نہیں مل سکتا تھا،

لیکن اس زمانے کے کارخانہ داروں اور انجینیروں کو اون معلومات اور اون تمام اکتشافات سے واقف ہونا پڑتا ہے، جیسا کہ آج سے سو برس پہلے وجود بھی نہ تھا، اس بنا پر مسابقت باہمی سے اون میں انفرادی و العزمی کا مادہ پیدا ہوتا ہے، اور اون کے ملکہ استیلاط میں ترقی ہوتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ ایک دائمی ترقی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، مختلف اقوام کے اس فرق مراتب کو ٹاکوئل نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے،

”تقسیم عمل کا قانون جس قدر وسیع اور عام ہوتا جائیگا، اسی قدر صنایع کی قوت عملیہ ہوتی
قوت عقلیہ قوی ہوتی جائیگی، اور وہ دوسرے کا تابع ہوتا جائیگا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ صنعت و
حرف کو اس زمانے میں ترقی ہوئی ہے، اور صنایع منزل کی طرف مائل ہیں، اور کاریگروں اور
اون کے افسروں میں فرق بڑھتا جاتا ہے،

اگر تشبیہ و تمثیل کے ذریعہ سے اس فرق مراتب کو واضح کیا جاسکتا ہے، تو اس زمانے
میں عقلی ترقی کے لحاظ سے تمدن قوموں کو ایک ایسے منارے سے تشبیہ دیا جاسکتی ہے جس کا بلند
ترین حصہ گویا قوم کا طبقہ اعلیٰ ہے، اور کم درجہ کے لوگ ضخامت کے لحاظ سے اس کا عظیم الشان گڑباز ہیں
لیکن کنگرے کی چوٹی پر صرف علماء و فضلاء و موجدین و مخترعین، اور ماہرین علوم و فنون کی صورتیں
نظر آتی ہیں، فضلاء کا گردہ اگرچہ قوم کی مجموعی تعداد کے لحاظ سے نہایت مختصر اور محدود ہوتا ہے، لیکن
تمدنی ترقی میں عقلی سطح کا معیار صرف اسی مختصر گردہ کو قرار دیا جاسکتا ہے سینٹ سیمین نے
کس قدر سچ کہا ہے،

”اگر ذرا سچا س عالم اور اس قدر کاریگروں اور زراعت پیشہ لوگوں کو کھو دے تو یہ
سمجھنا چاہیے کہ اوس نے تمام قوم کا سرکٹ کے الگ رکھ دیا، اور تمام قوم قابیل بنے روج

ہو گئی، لیکن اگر وہ سرکاری عہدہ دار و محضائع کو دے تو خوش اخلاقی کی وجہ سے تمام فراش کو
اس کا رنج ضرور ہوگا، لیکن اس سے ملک کو نہایت خفیف نقصان پہونچے گا۔

بہر حال تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ قوموں کے مختلف طبقات میں یہ فرق مراتب
نہایت سرعت کے ساتھ وسعت اختیار کرتا جاتا ہے اور اگر قانون توارث اسکی ترقی کی راہ میں
حائل نہ ہوتا تو طبقہ اعلیٰ اور طبقہ ادنیٰ میں یہ فرق اسقدر نمایاں نظر آتا، جس قدر ایک یورپین اور
جیشی بلکہ آدمی اور ہندو کے درمیان نظر آ رہا ہے، لیکن فرق مراتب عام طور پر اس لیے
محسوس نہیں ہوتا کہ متعدد اسباب اسکی وسعت میں خلل انداز ہوتے رہتے ہیں، اولاً تو یہ فرق
صرف قوائے عقلیہ میں نظر آتا ہے، نظام اخلاق یا تو کلیۃً اوس سے متاثر نہیں ہوتا یا بہت
کم ہوتا ہے، ایسے قومی زندگی میں جس کا دار مدار صرف اخلاق پر ہے عام طور پر اسکی نمائش
نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ اس زمانے میں جماعت اپنا نظام اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتی ہے،
اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ ہر جماعت اون لوگوں سے سخت عداوت رکھتی ہے جو اوس پر تفوق و
امتیاز حاصل کرنا چاہتے ہیں، بلکہ ظن غالب یہ ہو کہ جب جماعت کا نظام مکمل ہو جائے گا
تو وہ اون تمام قوائے عقلیہ کی بنیاد کو متزلزل کر دیگی جو اسکی راہ میں حائل ہوتے ہیں، اور جب
یورپ میں سوشلزم کی حکومت قائم ہو جائیگی تو چند دنوں میں ان برگزیدہ لوگوں کا وجود بھی باقی
نہ رہے گا، اس بنا پر عقلی فرق مراتب علانیہ محسوس نہیں ہوتا، لیکن یہ دونوں سبب عارضی ہیں
کیونکہ اون کو تمدن نے پیدا کیا ہے، جو خود ایک بدلنے والی چیز ہے، ایسے یہ دونوں سبب بھی اوسکے
ساتھ ساتھ بدل سکتے ہیں، اس عقلی تفوق و امتیاز کا سبب اہم، اور قدرتی سنگ راہ قانون درست
ہو، جو کبھی اون افراد کو مکمل ناکر دیتا ہے، جو طبقہ متوسطہ پر عقلی حیثیت سے تفوق و امتیاز رکھتے
ہیں، اور کبھی اون کو کھینچ جان کے طبقہ متوسطہ کے برابر کر دیتا ہے چنانچہ قانون وراثت جن ظلم کا موضوع

بحث رہا جو وہ قدیم چیزوں کے مشابہت سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عقلی حیثیت سے جو طبقہ بلند رتبہ ہوتا ہے وہ رفتہ رفتہ فنا ہو جاتا ہے، اور اکثر اوس پر فنا کا دور نہایت سرعت کے ساتھ طاری ہوتا ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کو عقلی تفوق اور سرعت حاصل ہونا ہے جب اوسکی نسل ساحل فنا کے قریب آ جاتی ہے، اور اگر فضلاء قوم کو معمولی درجہ کے افراد سے استحکام نشو و نما نہ حاصل ہوتا تو سرے سے ان کا وجود ہی قائم نہ رہتا، چنانچہ اگر ہر طبقہ کے ممتاز ترین اشخاص کی ایک علیحدہ آبادی قائم کی جائے، اور ان میں تولد و تناسل کا سلسلہ جاری ہو تو ان کے ذریعہ سے ایک ایسی بدترین نسل پیدا ہوگی، جو لازمی طور پر چند دنوں میں فنا ہو جائیگی، باغبان کی مصنوعی تدبیروں سے جن درختوں کو غیر معمولی نشو و نما حاصل ہو جاتی ہے، وہ اگر اپنی اصلی قوت نمو پر چھوڑ دیے جائیں تو یا فنا ہو جائیں گے یا اپنی اوس متوسط حالت پر آجائیں گے جو انکی نشو و نما کی موروثی حد تھی، بعینہ ہی حال اس اعلیٰ طبقہ کا بھی ہے، جو تمام افراد پر عقلی حیثیت سے تفوق و امتیاز رکھتا ہے، وہ ایک مصنوعی گروہ ہے جو نہایت سرعت کے ساتھ فنا ہو سکتا ہے اور طبقہ متوسط نہایت آسانی کے ساتھ اوسکو اپنے اندر جذب کر سکتا ہے،

اصل یہ ہے کہ ہر قوم کے افراد میں اگرچہ عقلی حیثیت سے نمایان فرق نظر آتا ہے، لیکن اخلاقی حیثیت سے ان سب کی سطح یکساں ہوتی ہے، اور زمانہ کے انقلابات اس چٹان کو مطلق جنبش نہیں دیکھتے، اس لحاظ سے اگر ہر قوم کی تاریخ پر اخلاقی اور عقلی دونوں حیثیتوں سے نظر ڈالی جائے تو اوسکی عقلی قدر و قیمت کا اندازہ صرف فضلاء کے ایک محدود گروہ کے ذریعہ سے کیا جاسکے گا، جو اسکے تمدن، تہذیب، اور علوم و فنون کا روح رواں ہوگا، لیکن پوری قوم کی قدر و قیمت کا معیار صرف طبقہ متوسط کو قرار دینا چڑھکا۔ کیونکہ قومی طاقت کا شیرازہ اسی گروہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے، یہ ممکن ہے کہ تمام قوم اس عقلی گروہ سے بے نیاز ہو جائے، لیکن کوئی قوم اخلاق

کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، اور اخلاق کا منظر صرف طبقہ متوسطہ ہوتا ہے، اس لئے قومی زندگی کا دار مدار صرف اسی طبقہ پر ہے،

اس تفصیل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عقلی فرق مراتب کو ہمیشہ ترقی ہوتی رہتی ہے، لیکن نظام اخلاق کی حالت ہمیشہ یکساں رہتی ہے، اور کاتام تر تعلق طبقہ متوسطہ کے ساتھ ہے، اسلئے وہ ہمیشہ متوسطہ حالت میں قائم رہتا ہے، اور اس کو بہ تدریج ترقی ہوتی ہے،

اخلاق اگرچہ تمام قوموں میں مشترک طور پر پایا جاتا ہے، لیکن تمدن قوموں میں اخلاقی طاقت کے ساتھ جب علمی قوت کی بھی آمیزش ہو جاتی ہے، تو ان دونوں کی ترکیب و امتزاج سے تمدنی ترقی کا دور شروع ہوتا ہے، لیکن اس اختلاط و امتزاج کا اثر صرف تمدن ہی پر پڑتا ہے، اصل قوم اس سے متاثر نہیں ہوتی، اس لحاظ سے قوم کا اعلیٰ طبقہ ہمیشہ نیا اور پُرانا ہوتا رہتا ہے، کیونکہ طبقہ متوسطہ جو تغیر و تبدل سے محفوظ رہتا ہے اس کو نیا اور پُرانا بنانا رہتا ہے،

تشریحی تحقیقات سے بھی اس فرق مراتب کا ثبوت ملتا ہے،

بار بار کے مشاہدات و تجربات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی عقل اور ادنیٰ کھوپڑی کے حجم میں عظیم الشان تناسب پایا جاتا ہے، اگرچہ اس تناسب میں بعض افراد مختلف ہوتے ہیں لیکن اس کا وجود یقینی ہے،

تمدن اور غیر تمدن قوموں میں جو چیز بابہ الامتیاز ہو سکتی ہے، وہ صرف یہی نہیں ہے کہ تمدن قوموں کی کھوپڑیاں بڑی ہوتی ہیں، کیونکہ یہ تو معمولی درجہ کا فرق ہے، بلکہ ان دونوں قوموں میں اعلیٰ فرق یہ ہے کہ تمدن قوموں کا منظر اور بھیجا غیر تمدن قوموں سے بہت زیادہ بڑا ہوتا ہے اس لحاظ سے قوموں کے درمیان فرق مراتب افراد کے لحاظ سے ہوتا ہے، قوم کے مجموعہ سے نہیں ہوتا، کیونکہ غیر تمدن قوموں کے سوا مختلف قوموں کے افراد کی کھوپڑیوں میں بہت زیادہ فرق نہیں ملتا

اگر ہم گزشتہ اور موجودہ زمانہ کے انسانوں کی کھوپریوں کا موازنہ کریں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ جس قوم کے افراد کی کھوپریوں کی ضخامت میں زیادہ فرق ہوتا ہے، وہی سب سے زیادہ تمدن ہوتی ہے۔ اس نتیجہ نکلتا ہے کہ تمدن کی ترقی مسادات عقلی نہیں پیدا کرتی، بلکہ فرق امتیاز پیدا کرتی ہے۔ فزیکل مسادات صرف غیر تمدن قوموں کے افراد میں پائی جاتی ہے اور اس لحاظ سے وحشی قوموں میں بہت کم فرق مراتب پایا جاتا ہے، لیکن اوس کا شکار میں جو اپنی زبان کچے تین بولوں سے زیادہ نہیں جانتا، اور اوس عالم میں جسکو اوس زبان کے لاکھ الفاظ ازبہ میں عظیم الشان فرق ہے، تمدن افراد میں جو فرق مراتب پیدا کرتا ہے، بعینہ وہی فرق مرد اور عورت میں بھی نظر آتا ہے۔ غیر تمدن قوموں میں عقلی حیثیت سے تقریباً مرد اور عورت کی حالت یکساں ہوتی ہے، اور یہی حالت تمدن قوموں کے کم درجہ فرقوں کی بھی ہے، لیکن جب قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے، فرق پیدا ہوتا جاتا ہے، مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر تمدن کو ترقی ہوتی جاتی ہے، اوتقدر مرد اور عورت کی کھوپریوں کے حجم میں فرق ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ ہم عمر، ہم وزن، اور مساوی القامت مرد اور عورت کی کھوپریوں کا مقابلہ کیا جائے، تب بھی یہ فرق محسوس ہوگا۔ لیکن یہ فرق غیر تمدن قوموں کے مردوں اور عورتوں میں بہت کم نظر آتا ہے،

تمدن قوموں کی عورتوں کی کھوپری غیر ہند ب قوموں کی عورتوں سے بہت کم بڑی ہوتی ہے، بلکہ صاف نظر آتا ہے کہ فرانس کے مردوں کی کھوپری کا حجم روز بروز بڑھتا جاتا ہے، لیکن وہاں کی عورتوں کی کھوپری قریب قریب چینی عورتوں کی کھوپری کے برابر اور نیو کالیدونیا کی عورتوں کی کھوپری سے بہت کم بڑی ہوتی ہے،

پانچویں فصل

تاریخی قوموں کی پیدائش

تاریخی توہین کیونکر پیدا ہوئیں؟ وہ کونسے حالات ہیں جو مختلف قوموں میں انقلاب پیدا کر کے انکو ایک قوم بنا دیتے ہیں؟ مختلف قوموں کے مجموعہ میں ہر قوم کے افراد کی تعداد، انکی جسمانی اور اخلاقی حالت کے اختلاف کا اثر، اس جدید قوم کی تولید کا نتیجہ، جدید پیدائشہ قوم کے انحطاط کا سبب اس تولید قومی سے جو روحانی اخلاق پیدا ہوتے ہیں انکا عدم استقلال، یہ اخلاقی کنٹرول شکم اور پائدار ہو سکتے ہیں؟

قوموں کی یہ تولید ایک نئی قوم کی پیدائش اور تمدن کے زوال کا سبب بڑا ہی مختلف گروہوں کے نظام کی اہمیت، آب و ہوا اور جغرافیہ حالات کا اثر، آب و ہوا اور جغرافیہ حالات کا اثر صرف اوس وقت پڑتا ہے جب کوئی قوم اپنے دور تکوین میں ہوتی ہو، اور اس کے قدیم موروثی اخلاق کا شیرازہ درہم برہم ہو چکا ہو، قدیم قوموں پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑتا، مختلف شاہین، یورپ کی اکثر تاریخی قومیں اپنے دور تکوین میں ہیں، اس کے سیاسی اور تمدنی نتائج تاریخی قوموں کی پیدائش کا زمانہ سرعت کے ساتھ کیوں گزر جاتا ہے؟

ادھر گزر چکا ہے کہ اس وقت دنیا کی تمدن اقوام میں حقیقی قوموں کا وجود نہیں رہتا، صرف تاریخی قومیں موجود ہیں، جو فتوحات، سیاست، ہجرت، اور اس قسم کے دوسرے مختلف سببوں کے اثر سے پیدا ہو گئی ہیں، اور اس لئے وہ مختلف کنٹرول و مختلف الاصل افراد سے مرکب ہیں، اب ہم

یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مختلف قومیں باہم مل کر کس طرح ایک تاریخی اور متحد الاخلاق قوم بن جاتی ہیں، لیکن اسکے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ متعدد قومیں اسی میں جو ایک ساتھ رہنے کے بعد بھی دوسری قوم سے بالکل الگ تھلک رہتی ہیں، اور ان میں کسی قسم کا اختلاط و امتزاج نہیں پیدا ہوتا مثلاً جرمن، ہنگرین، اور سلاوی قومیں باوجودیکہ اسٹریا کے زیر حکومت ایک ہی ملک میں زندگی بسر کرتی ہیں، لیکن ان میں ہر قوم دوسری قوم سے الگ ہے، اور ان میں آج تک کسی قسم کا میل جول پیدا نہیں ہوا۔ اسی طرح آئرلش قوم اگرچہ انگلستان کی حکومت ہے، لیکن اس نے اپنی تمام قومی خصوصیات کو محفوظ رکھا ہے، اسکے بالکل برعکس نہایت پست درجہ کی قومیں مثلاً آسٹریا، اور مانی وغیرہ مستبد اقوام میں جذب ہوتی جاتی ہیں، کیونکہ تجربہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر غیر مستبد قوم جذب قوموں کے میل جول سے فنا ہو جاتی ہے،

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوموں کا اختلاط و اتحاد محض اتفاقی اجتماع کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک مستحکم اصول کا باند ہے جس کے لئے تین شرطیں لازمی ہیں،
(۱) جن قوموں کی ترکیب و امتزاج سے ایک جدید قوم پیدا ہونے والی ہے، ان کے افراد کی تعداد میں بہت زیادہ تفاوت نہ ہونا چاہیے،

(۲) ان کے اخلاق میں بہت زیادہ اختلاف نہیں ہونا چاہیے،

(۳) ایک طویل زمانہ تک ان کو ایک ہی آب و ہوا میں زندگی بسر کرنی چاہیے،

لیکن ان تمام شرائط میں پہلی شرط سب سے زیادہ اہم ہے، کیونکہ ہم کو صاف نظر آتا ہے کہ اگر چند یورپین ہجرت کر کے حبشیوں کے درمیان اقامت اختیار کریں تو وہ بالکل فنا ہو جائیں گے، ان کی اولاد کی رگوں میں یورپین خون کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا۔ اسی بنا پر لے اشنڈ گن ہاسائیہ آسٹریا کے جنوب میں ایک جزیرہ ہے، جہاں انگریز کی حکومت ہے،

بہت سی فلاح قومیں اور مفتوح قوموں کے اندر جذب ہو گئیں، جنکی تعداد فلح قوم سے زیادہ تھی، اہل عرب مصر میں اپنے تمدن، اپنی صناعتی، اور اپنی زبان کے بہت سے یادگار آثار چھوڑ آئے، لیکن قلت تعداد کی وجہ سے وہ ان اپنے خون کا ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا،

دوسری شرط بھی خاص اہمیت رکھتی ہے، اگرچہ بظاہر دو مختلف الاخلاق قوموں میں اختلاف و امتزاج پیدا ہو سکتا ہے، یہاں تک کہ جتنی اور یورپین بھی باہم مل سکتے ہیں، لیکن اس حالت میں جو قوم پیدا ہوتی ہے وہ نہایت غیر متدن اور غیر مہذب ہوتی ہے، نہ وہ خود کوئی تمدن پیدا کر سکتی، نہ کسی تمدن کو قائم رکھ سکتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں قوموں کا یہ اختلاف دونوں کے نظام اخلاق کو دہم برہم کر دیتا ہے، اسلئے وہ قوم جو اس قسم کے اجزاء مختلفہ سے پیدا ہوئی ہے، جب کسی تمدن کی وارث ہو جاتی ہے، تو اس کو دفعہ بہ یاد کر دیتی ہے، چنانچہ

سان ڈو مینچ کے باشندوں کے حالات سے اسکی تائید ہو سکتی ہے، اسکے بخلاف اگر دو تمدن قوموں میں اخلاقی حیثیت سے تشابہ ہو تو اسکی ترکیب تمدنی ترقی کا سبب قومی اور موثر سبب بن جاتی ہے، امریکہ میں جرمنوں اور انگریزوں کے اسی اختلاف نے اسقدر اعلیٰ وجہ کا تمدن پیدا کر دیا ہے، لیکن اگر دو قوموں میں اس قسم کی ہم رنگی نہ پائی جائے تو ان کے اختلاف سے بدترین نسل پیدا ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں سپید اور سیاہ رنگ کے انسانوں کی مخلوط نسل زیادہ ہو ان میں ہمیشہ مطلق العنانی پائی جاتی ہے، اور صرف ایک پنجہ فولادی ہی ان کو قابو میں رکھ سکتا ہے، برازیل میں سپید رنگ کے انسانوں کی تعداد اتنا ہی سے زیادہ نہیں، اس نتیجہ کو دنیا کے سامنے نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کرنے والا ہے

۱۔ اس نام کی تصحیح نہ ہو سکی،

۲۔ BRAZIL جنوبی امریکہ کی سب سے بڑی ریاست ہے نظام حکومت جمہوری اور..... کی آبادی ہے،

آگاسیئر نے یہ بالکل صحیح رائے قائم کی ہے کہ

”قوموں کے اخلاط سے جو انقلاب پیدا ہوتا ہے، وہ ایک سیاح کو ناقابلِ اظہار طریقہ پر انجیل
میں ہر جگہ سے زیادہ نمایان نظر آئے گا، یہ اتحاد آمیز اخلاطیور میں حبشی اور ہندو قوم کے
تمام خاص کو کیسان طور پر بر باد کر رہا ہے۔ اور عقلی اور جسمانی حیثیت سے ایک ایسی کمزور
نسل پیدا کر رہا ہے جو دائرۂ بیان سے خارج ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کا قومی اخلاط ہر قوم کے جسمانی اور عقلی مزاج کو بدل دیتا ہے،
اور صرف وہی ایک ایسی چیز ہے جسکے ذریعہ سے قوم کے اصلی اخلاق میں تغیر پیدا کیا جاسکتا ہے،
اخلاق ایک موروثی چیز ہے، اور وراثت کو صرف وراثت ہی زائل کر سکتی ہے،
اسلئے جب دو قوموں کے امتزاج و اختلاط پر ایک زمانہ گزر جاتا ہے، تو اس کے اثر سے ایک
جدید قوم پیدا ہو جاتی ہے، جو جسمانی اور روحانی اوصاف کے لحاظ سے بالکل ایک جدید قوم
ہوتی ہے، ابتدا میں اس طریقہ سے اخلاق کی تولید تبذیرج ہوتی ہے، اور اس کا اثر بہت کم
ظاہر ہوتا ہے، لیکن جب اس طرح ایک زمانہ گزر جاتا ہے اور وہ موروثی ہو جاتے ہیں تو اُن میں
استحکام پیدا ہو جاتا ہے، و دونوں قوموں کے اخلاط کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ دونوں کی روح یعنی
اولیٰ احسانات و خیالات کو فنا کر دیتا ہے، جنکی تہ میں قومی قوت کا خزانہ چھپا ہوا رہتا ہے،
اور جب تک بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی، قومی زندگی میں یہ زمانہ سب سے زیادہ سخت گذرتا ہے،
کیونکہ یہ نشوونما کا زمانہ ہوتا ہے، اور بچپن کی زندگی نہایت نرم و نازک ہوتی ہے، دنیا کی تمام
قوموں پر یہ دور گزر چکا ہے، یورپ کی ہر قوم کا سنگ بنیاد دوسری قوموں کے کھنڈر پر
رکھا گیا ہے، اور وہ اندرونی فرق و امتیاز، اور مختلف انقلابات کا مرکز ہے، اور جب تک جدید
اسلام اس نام کی تصحیح نہ ہو سکی،

متحدہ نظام اخلاق مکمل نہ ہو جائیگا، یورپ میں یہ کشمکش قائم رہے گی،

ان تمام مباحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نئی قوموں کی پیدائش اور پرانی قوموں کے زوال کا اصلی سبب مختلف قوموں کی یہی آمیزش ہے، اور اس لحاظ سے جو تمدن قومیں بنے آپ کو اجنبیوں کی آمیزش سے الگ تھلاک رکھتی ہیں، وہ نہایت دور اندیش ہیں اگر قومی تعصب آریوں کی قومیت کو محفوظ نہ رکھا ہوتا تو جس زمانہ میں (یعنی آج سے تین ہزار برس پہلے) انکی ایک مختصر تعداد نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا اسی وقت انکا قومی نظام درہم برہم ہو جاتا، اور وہ سیاہ فام قوم انکو گل گئی ہوتی جو چاروں طرف سے انکا احاطہ کئے ہوئے تھے، اسلئے آج جزیرہ نمائے ہند میں تمدن کا وجود نظر نہ آتا، اگر انگریز اس معاملہ میں سہل انکاری سے کام لیتے تو ہندوستانی سلطنت انکے ہاتھ سے کب کی بکل چکی ہوتی، غرض یہ ممکن ہے کہ کوئی قوم اپنے تمام شخصیات کو کھودے سخت ترین مصائب میں مبتلا ہو جائے، اور پھر اپنی قدیم مردہ قوتوں کو زندہ کر کے دوبارہ اپنی ہستی کو قائم کرے، لیکن یہ بالکل ناممکن ہے کہ کوئی قوم اپنی روح کو فنا کر کے دوبارہ خواب مرگ سے بیدار ہو جائے،

جب کسی قوم کے تمدن کو زوال ہونے لگتا ہے اور وہ طوعاً یا کرہاً جنگو قوموں کا شکار بن جاتی ہے، تو اس وقت اس اخلاط کا اثر نمایاں ہوتا ہے، یعنی اسکا قدیم اخلاق فنا ہو جاتا ہے اور اسکی جگہ جدید اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں، اب قدیم قومی روح کے فنا ہونے سے قدیم تہذیب کی بنیاد بالکل متزلزل ہو جاتی ہے اور جدید تمدن کیلئے میدان صاف ہو جاتا ہے،

جب کوئی جدید قوم ان ادوار مختلفہ سے گذر کر اپنے دور کو میں میں داخل ہوتی ہے، تو تیسری شرط یعنی آب و ہوا اور مقامی خصوصیات کا اثر ظاہر ہوتا ہے، قدیم قومیں اگرچہ اس سے بہت کم متاثر ہوتی ہیں لیکن جدید پیدا ہونے والی قوم پر ان حالات کا شدت کے

ساتھ اثر پڑتا ہے، کیونکہ اس اختلاف کے ذریعہ سے اس کے قدیم اخلاق بالکل برباد ہو جاتے ہیں، اور جدید اخلاق کی نشوونما اور استحکام کے لیے راستہ صاف ہو جاتا ہے، اسلئے اس خالی زمین آج ہوا اور جغرافیہ انہ حالات کا اثر نہایت آسانی کے ساتھ پڑ جاتا ہے، اور اس وقت ہر قوم کی پیدائش کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے، چنانچہ فریج قوم اسی طور پر پیدا ہوئی ہے، لیکن اس اثر میں مختلف حالات کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اور اسی وجہ سے اس کے متعلق علماء میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا ہے، لیکن تاریخی راین جو قومیں اپنے دور تکوین میں ہوتی ہیں، ان پر وہ اثر نہایت شدت کے ساتھ پڑتا ہے، اور جو قومیں قدیم اور موروثی اخلاق کی مالک ہیں ان پر اس کا مطلق اثر نہیں ہوتا،

اخلاقی حیثیت سے جغرافیہ انہ حالات کی بے اثری خود یورپ میں تمدن سے ظاہر ہوتی ہے، ایک مدت سے مشرقی قوموں کے ساتھ ہلکواختلاط حاصل ہے، لیکن ہمارے تمدن نے ان پر مطلق اثر نہیں کیا چنانچہ جو چینی ولایات متحدہ میں اقامت گزین ہیں انکی اخلاقی حالت سے یہ بے اثری مشاہدہ نظر آتی ہے، مادی اور مقامی حیثیت سے بھی اس کا اثر بہت کم پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی قوم اجنبی ملک میں مشکل زندگی بسر کر سکتی ہے، علانیہ نظر آتا ہے کہ جب کوئی آدمی، کوئی جانور اور کوئی پودا اپنے وطن سے غیر ملک میں جاتا ہے تو فنا ہو جاتا ہے، تقریباً دس قوموں نے مصر کو فتح کیا، اور وہ آج ان تمام قوموں کا مقبرہ بنا ہوا ہے، لیکن کوئی فاتح قوم وہاں اقامت گزین نہ ہو سکی، وہاں یونانی، رومی، ایرانی، عرب ترک بھی آئے، لیکن کسی نے اس سرزمین میں اپنے خون کا ایک قطرہ نہ چھوڑا، مصر کی مقامی خصوصیات کا اصلی نمونہ صرف وہ کاشتکار ہے جس کا سیمائے سخن گوصات بتاتا ہے کہ وہ ان لوگوں کی نسل سے ہے جنکی تصویریں سات ہزار برس سے اونکے در دیوار پر مصر کی صناعتی کا بہترین نمونہ پیش کر رہی ہیں،

یورپ کی تمام بڑی بڑی تاریخی قومیں اب تک اپنے دور تکوین میں ہیں اور اس لیے

انگریزوں کے سوا مغرب کی ہر قوم کا نظام اخلاق اب تک نامکمل ہے، صرف انگریزی قوم ایک ایسی قوم ہے جس کے اخلاق مستحکم ہو چکے ہیں، چنانچہ برٹن، نیکسن، نارمنڈی گروہ کی تمام اخلاقی خصوصیات مٹ گئی ہیں اور ان کے بجائے ایک جدید متحدہ نظام اخلاق قائم ہو گیا ہے، فرانس کے مختلف طبقات میں اب تک نمایاں فرق و امتیاز موجود ہے، فرانس کے علاوہ اگرچہ دوسرے ممالک میں ایک متوسط طبقہ پیدا ہو گیا ہے، لیکن انیسویں صدی کے اس طبقے کے خیالات اور اخلاق میں بھی فرق نظر آتا ہے، اور اس لحاظ سے کوئی ایسا جامع دستور العمل مشکل بنایا جاسکتا ہے، جو ہر ایک کیلئے موزون ہو، اگر سلطنت کا زور نہ ہوتا تو وہ لوگ بہت سی عقلی باتوں میں بھی باہم متحد نہ ہوتے، اہل فرانس کے احساسات، معتقدات، اور سیاسیات میں جو اختلاف نظر آتا ہے، وہ مزاج عقلی اسی اختلاف کا نتیجہ ہے، لیکن ان تمام اختلافات کو صرف زمانہ ہی کا پرزور ہاتھ مٹا سکتا ہے، جن قوموں میں باہم کشمکش پیدا ہوتی ہے، ان سب کا یہی حال رہ چکا ہے، ان کے تمام منازعات و اختلافات کا سرچشمہ مزاج عقلی کا یہی اختلاف تھا، اس لئے جب ان قوموں کی نسل نے وسعت حاصل کی تو ان مختلف المزاج لوگوں کا ایک جھنڈے اور ایک قانون کے تحت میں مہیاخت شکل ہو گیا، دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے اس قسم کی مختلف المزاج قوموں پر حکومت کرنا چاہا ہے وہ خود مٹ گئے ہیں، تمام موجودہ قوموں میں صرف انگریزوں اور ہالینڈ کے باشندوں کے لگے ایشیا کی مختلف قوموں نے اپنی اپنی گردنیں جھکا دی ہیں، لیکن ان کو یہ کامیابی صرف اسلئے حاصل ہوئی ہے کہ انھوں نے کسی قوم کے مذہب اور اخلاق سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا ہے، بلکہ ان کو اس قسم کی آزادی عطا کی ہے، جس کی وجہ سے گویا وہ خود اپنے اور حکومت کر رہی ہیں، حکومت کا اثر صرف ٹکس، تجارت اور امن و امان تک محدود ہے، مذہب اور اخلاق پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے، لیکن مساحت اور بے تعصبی کی ان مستثنیٰ اور قلیل الوجود مثالوں کے سوا، کوئی ایسی عظیم الشان سلطنت جو مختلف قوموں پر

شکل ہو، بجز قوت کے قائم نہیں رہ سکتی اور قائم ہونے پر بھی قوت کے زوال پذیر ہی کے ساتھ ہمیشہ فنا ہو جانے کے خطرہ میں مبتلا رہتی ہے،

ہر جدید قوم کے عناصر متحدہ ہیں جب تک بہ تدیج المنزلج نہ پیدا ہو جائے جب تک اون میں ایک طویل اختلاط نہ ہو، جب تک وہ ایک آسمان کے نیچے مدتوں زندگی نہ بسر کر لیں، جب تک وہ ایک ہی قسم کی آب و ہوا سے اثر پذیر نہ ہوں، جب تک وہ ایک ہی نظام اور ایک ہی عقیدہ کی پابند نہ بنائے جائیں، اور قوت تک وہ قوم جدید قوم نہیں بن سکتی، لیکن جب یہ تمام باتیں جمع ہو جاتی ہیں تو ایک زمانہ کے بعد ان تمام اجزاء کی ترکیب سے ایک مستقل قوم پیدا ہو جاتی ہے، دنیا کی عمر جس قدر طویل ہوتی جائیگی اور ستیدر ہر قوم کا ریسوخ، استحکام ترقی کرتا جائیگا، اور اختلاط و اتحاد کے تدیجی اثر سے دن میں بہت کم تغیر پیدا ہوگا، انسانیت جب اپنی زندگی کا ایک دور ختم کر لیگی، اس وقت موروثی موثرات کے اثر سے گراں بار نظر آئے گی اور اپنی اصلی حالت کا بدلنا اس کے لئے محال ہو جائیگا، اور اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یورپ کی تاریخی قوموں کا دور کوہن اب عنقریب گزر جانے والا ہے،

دوسرا باب

تمدنی عناصر میں قوموں کے اخلاق کا ظہور

پہلی فصل

تمدنی عناصر ہر قوم کی خارجی روح کے مظاہرین

تمدن کے عناصر ہر قوم کی خارجی روح کے مظاہرین، اقوام کے اخلاق سے ان عناصر کی اہمیت کا اعتقاد، اس اہمیت کے لحاظ سے بعض اوقات فنون لطیفہ، آداب رسوم وغیرہ کا قومی حیثیت سے پہلا درجہ ہوتا ہے، زمانہ قدیم میں مصری، یونانی، اور رومن قوموں کے ذریعہ سے اسکی مثال، فنون لطیفہ کے ذریعہ سے مثال فنون لطیفہ کس چیز پر دلالت کرتے ہیں؟ تمدن کا صرف ایک عنصر تمدنی ترقی کی دلیل نہیں ہو سکتا، تمدن کے وہ عناصر جن کی ترقی کے کسی قوم میں کمزورت اسباب پیدا ہو گئے، یہ تمدنی عناصر بعض اوقات فلسفیانہ حیثیت سے نہایت کم درجہ رکھتے ہیں، لیکن اجتماعی حیثیت سے انکی قدر و قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے،

تمدن کے عناصر یعنی زبان، نظام سیاست، عقائد خیالات، فنون لطیفہ اور لٹریچر، ہر قوم کی روح کا مظہر خارجی ہوتے ہیں لیکن ہر قوم اور ہر زمانے میں وہ ایک ہی طریقہ سے اُس پر دلالت نہیں کرتے، فنون لطیفہ میں آج جو کتابیں لکھی جاتی ہیں تقریباً اوں سب میں یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ یہ تمام صنایع ان اوس قوم کے خیالات کی ترجمان ہیں جنہوں نے انکو ایجاد کیا ہے اور نیز یہ کہ انہی کے ذریعہ سے اوں کے تمدن کا اندازہ کیا جاسکتا ہے،

بے شبہ اکثر اوقات واقعات سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے، لیکن اسکو کوئی کلیہ نہیں قرار

دیا جاسکتا، کیونکہ کسی قوم کی عقلی ترقی کے لئے فنون لطیفہ کوئی لازمی چیز نہیں ہیں، دنیا میں بعض قوموں کی تمدنی ترقی کا دیباچہ زرین اگرچہ صرف فنون لطیفہ کو قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن بعض توہین پس بھی ہیں جن کے اعلیٰ تمدن میں فنون لطیفہ کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے، اگر ہم ان تمام تمدنی عناصر میں صرف ایک ایک عنصر کے اعتبار سے ہر قوم کے تمدن کی تاریخ مرتب کرنا چاہیں، تو ہم کو ہر قوم کی تاریخ میں ایک خاص عنصر کو نمایاں کرنا پڑے گا، کسی کے ساتھ فنون لطیفہ کو تخصیص ہوگی، کہیں فنی زندگی کی جگہ آثارِ بیان نظر آئیں گی، کہیں تجارت کی گرم بازاری کا ماشہ نظر آئے گا، غرض ہر قوم کا الگ الگ تمدنی کارنامہ قرار دینا پڑے گا، لیکن سب سے پہلے ہر قوم کو اسی مسئلہ پر بحث کرنی چاہئے کیونکہ اس سے اول اسباب کا پتہ چلے گا، جن کے ذریعہ سے تمدنی عناصر ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہو کر مختلف قالب اختیار کر لیتے ہیں اور ان میں نمایاں فرق پیدا ہو جاتا ہے،

تمدنی عناصر کی نشوونما کے لحاظ سے قدیم مصری اور رومن قوموں کے درمیان یہ فرق اس شدت کے ساتھ نظر آتا ہے کہ ایک ہی عنصر کی مختلف شاخوں میں یہ اختلاف محسوس ہوتا ہے، چنانچہ مصری قوم کی تمدنی ترقی میں لٹریچر اور نقاشی کا درجہ بالکل نسبت تھا، اور ان کی قوت اختراع صرف فنِ تعمیر اور بت تراشی میں اپنا کمال دکھاتی تھی، اس زمانہ کو اہل مصر کی عظیم الشان عمارتوں پر ناز تھا، اور وہ ہمارے لئے فنِ بت تراشی کے بہت ایسے اعلیٰ ترین نمونے چھوڑ گئے ہیں جن کو اس فن کی ترقی کا ایک اعلیٰ معیار قرار دیا جاسکتا ہے، یونانیوں نے بے شبہ ان پر اس حقیقت سے تفوق حاصل کر لیا تھا، لیکن اس تفوق کا زمانہ نہایت مختصر اور محدود تھا، مصریوں کی حریف مقابل صرف رومن قوم ہو سکتی ہے، جس نے تاریخ میں ایک یادگار زمانہ چھوڑا ہے، تقلید اور متبع کے لئے اس قوم کے سامنے فنون لطیفہ کے اعلیٰ ترین نمونے، اور اعلیٰ ترین مثالیں موجود تھیں، اسکا

لے اس موقع پر مصنف نے ان نمونوں کے چند نام بھی بتائے ہیں، جنکو تاؤس ہونے کی وجہ سے بچے چھوڑ دیا ہے،

زمانہ مصریوں اور یونانیوں کے زمانے سے بالکل قریب تھا، لیکن بائینہمہ اوس نے اپنے لئے کوئی خاص صنعت ایجاد نہیں کی دنیا کی تمام قوموں میں فنون لطیفہ کی اختراعات کے لحاظ سے صرف رومن قوم سب سے زیادہ گننام ہے، کیونکہ اوسکو انکے ساتھ مطلق اعتنائہ تھا، اور وہ انکی طرف صرف مالی فوائد کی غرض سے توجہ کرتی تھی اسلئے اوسکو سونا، چاندی، عطر اور مصالح کی طرح ایک تاجرانہ چیز سمجھتی تھی، وہ اگرچہ ترقی کی معراج کمال کو پہنچ گئی تھی، لیکن اسکی کوئی خاص ملکی صنعت نہ تھی، یہاں تک کہ جب اوسکی سلطنت کو استحکام حاصل ہو گیا، اہل دولت کی رہتا ہو گئی، خود اوسکو آرائش اور زیب و زینت کا شوق پیدا ہو گیا، اور اس ذریعہ سے اسکے وہ جذبات کسی قدر متاثر ہوئے، جو فنون لطیفہ کے بال و پرہن، تو اس عالم شوق میں بھی وہ یونانیوں کی دست نگر رہی، اور انہی کے نمونوں، اور انہی کے کاریگروں کے ذریعہ سے اوس نے اپنے شوق کو پورا کیا، اس لحاظ سے اگر ہم روم کے فن تعمیر اور فن سنگ تراشی کی تاریخ لکھنا چاہیں تو وہ یونانی فنون لطیفہ کی تاریخ کی ایک فصل ہوگی، لیکن اسی قوم نے جو فنون لطیفہ میں اس قدر کم مایہ تھی تمدن کے دوسرے عناصر کو آسمان تک پہنچا دیا، اوس نے ایک ایسا باقاعدہ فوجی نظام قائم کیا جس نے تمام دنیا کو اوسکا حلقہ گروش بنا دیا، اوس نے سیاست اور قصبات کے وہ اصول قائم کئے جنکی ہم آج تقلید کر رہے ہیں، اوس نے ایک ایسا لٹریچر پیدا کر دیا جس سے ہم مدتوں سبق لیتے رہے، اس سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ تمدنی عناصر کی نشوونما و تمدن قوموں میں مختلف طور پر ہوتی ہے اور اس لئے تمدن کو صرف ایک عنصر (مثلاً فنون لطیفہ) میں محدود کر دینا سخت غلطی ہے، مصری قوم نے اگرچہ تمام فنون لطیفہ کو حد اعجاز تک پہنچا دیا تھا، لیکن نقاشی اور لٹریچر میں اوسکا درجہ نہایت پست تھا، اسی طرح رومن قوم نے باوجودیکہ لٹریچر، نظام فوج، اور نظام سیاست کو دنیا کے سامنے

نئے آب و رنگ کے ساتھ پیش کیا تھا، تاہم فنون لطیفہ کی دوسری شاخوں میں اس نے بہت کم ترقی کی تھی،

اس موقع پر یونانیوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ وہ ایک ایسی قوم ہے جس نے تمدن کے مختلف عناصر کو نہایت ترقی دی تھی، مہوہر کے زمانے میں یونانی فن ادب اس قدر قبول عام حاصل کیا تھا کہ اوسکی نظمیں صدیوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے آب حیات کا کام دیتی رہیں، لیکن آثار قدیمہ کی تحقیقات سے اس زمانے کی جو عمارتیں ظاہر ہوئی ہیں وہ بالکل دشمنوں کی عمارتوں سے مشابہ معلوم ہوتی ہیں، اور اونسے ثابت ہوتا ہے کہ یونانی طرز عمارت مصری اور اشوری طرز عمارت کا بگڑا ہوا خاکہ ہے،

تمدنی عناصر کی نشوونما کا یہ اختلاف سب سے زیادہ ہندو قوم کے اندر نظر آتا ہے، ہندوؤں نے فن تعمیر کو اس درجہ تک پہنچا دیا تھا کہ دنیا کی کسی قوم میں اوسکی نظیر بہت کم مل سکتی ہے، اوس فلسفہ اس قدر ترقی دی تھی کہ یورپ کہیں آج جا کر اوسکے درجہ کو پہنچا ہے، فنِ دب میں لکچر و فنونِ یونانیوں اور رومیوں کا درجہ حاصل نہیں کیا تھا، تاہم انکا لٹریچر اس قسم کے قطعات و تصانیف کا کافی سرمایہ رکھتا تھا، جن پر بڑے بڑے انشا پرداز تاز کر سکتے ہیں، لیکن بالکل اس کے برعکس وہ مصوری میں یونانیوں سے بہت پیچھے تھے، لاکھ تحقیق و تنقید انہیں کلیدیہ معدوم تھا، انکو تاریخ اور دوسرے علوم میں بالکل دسترس نہ تھی، انکے علوم کی وقعت طفلانہ خیالات سے زیادہ نہ تھی تاریخ میں چند سخیفانہ قصوں کے سوا انکے پاس کچھ نہیں تھا، اسلئے اگر نگاہ کو صرف انہی چیزوں تک محدود رکھا جائے تو ہندو قوم کی تمدنی ترقی کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا،

ان مثالوں کے علاوہ اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے اور مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں، دنیا میں بہت سی قومیں ایسی گذری ہیں جنہوں نے اگرچہ عالی درجہ کی تمدنی ترقی نہیں کی

تھی، تاہم اونھوں نے فنون لطیفہ میں اسقدر امتیاز حاصل کیا تھا کہ گذشتہ قوموں کو اس حیثیت سے
اون کے ساتھ کوئی نسبت نہ تھی، چنانچہ اہل عرب نے جب یونانی اور رومن قوم کو پامال کر دیا تو اونھوں
نے چند ہی دنوں میں پیرنٹائن عمارتوں کی صورت اسقدر بدلدی کہ اگر قدیم عمارتیں موجود
نہ ہوتیں تو یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ عرب کے فن تعمیر کا اصلی ماخذ حقیقت ہی عمارتیں تھیں،
بعض تو میں ایسی بھی گذری ہیں، جنکو فنون لطیفہ اور فن ادب میں معمولی درجہ کی ہمارت
بھی نہ تھی، لیکن با انہمہ تمدنی حیثیت سے اوکا پایہ نہایت بلند تھا، چنانچہ فیثقی قوم اسی قسم کی تمدن
قوم تھی، اوس نے تمدن کی تمام شاخوں میں سے صرف تجارت کو ترقی دی تھی اور
اوس کے ذریعہ سے دنیا کے قدیم کے ایک سرے کو دوسرے سے باہم ملا دیا تھا، لیکن خود اوس نے
کوئی چیز ایجاد نہیں کی تھی، اوسکی تمام تاریخ تجارتی گرم بازاری کے کارناموں سے سربز
اسکے بالکل برعکس بعض تو میں ایسی بھی ہیں جنکے بیان تمدن کے تمام عناصر نہایت پست
حالات میں تھے، لیکن اوس نے فنون لطیفہ میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کی تھی، اسکی بہترین مثال
مغلون کے کارنامائے زرین سے مل سکتی ہے، چنانچہ وہ ہندوستان میں جو عمارتیں بنی یا دگار
میں چھوڑ گئے، ان میں ہندوستانی فن تعمیر کا شاہ بھی نہیں پایا جاتا، بلکہ انہیں ایک ایسی تازگی اور
جدت طرازی پائی جاتی ہے کہ ماہرین فن تعمیر نے اوکو صنائع انسانی کی بہترین مثال تسلیم کیا ہے
لیکن با انہمہ مغل قوم کو اعلیٰ درجہ کی تمدن قوموں میں شمار نہیں کیا جاسکتا،

اس سلسلہ میں ہم کو ایک عجیب بات یہ نظر آتی ہے کہ اعلیٰ درجہ کی تمدن قوموں میں عین
تمدنی ترقی کے زمانے میں فنون لطیفہ نے اسقدر بزرگ و بار نہیں پیدا کئے تھے، بلکہ وہ زیادہ تر دور
وحشت کی یاد کو تازہ کرتے ہیں، مصریوں اور ہندوؤں نے جو عظیم الشان عمارتیں تعمیر کی تھیں وہ
اون کے دور قدیم کی یادگار ہیں تھیں، یورپ میں گاتھک طرز تعمیر قرون وسطیٰ میں زیادہ ہوا تھا جبکہ

تمام یورپین قومیں وحشیانہ حالت میں تھیں، حالانکہ اس طرز کے نمونے آج تک بے مثل خیال کیے
 جاتے ہیں، ان اسباب کی بنا پر کسی قوم کی تمدنی ترقی کا اندازہ صرف فنون لطیفہ کی ترقی سے نہیں
 کیا جاسکتا کیونکہ اوپر گزر چکا ہے کہ وہ تمدن کا صرف ایک عنصر ہے اور اسکی نسبت بھی یہ ثابت
 نہیں کیا جاسکتا کہ وہ تمدن کا کوئی اعلیٰ ترین جزو ہے، بلکہ اکثر اعلیٰ درجہ کی تمدن قوموں کے
 تمدنی عناصر میں وہ سب کم درجہ کا عنصر نظر آتا ہے، چنانچہ گذشتہ نمونوں میں رومن اور
 موجودہ قوموں میں امریکن قوم کو اسکے ثبوت میں پیش کیا جاسکتا ہے، ہمارا خیال تو یہ ہے کہ
 فنون لطیفہ اور علم ادب کے شباب کا زمانہ ہر قوم کے بچپن یا آغاز شباب کے زمانے میں آتا ہے،
 کسی قوم کی بچگی اور کامل نشوونما کی حالت میں ان چیزوں کو اس قدر ترقی نہیں ہوتی،
 اصل یہ ہے کہ بہت سے ایسے موانع و عوائق پیدا ہو جاتے ہیں جنکی وجہ سے دوسرے
 تمدنی عناصر کی ترقی کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ کی ترقی داخلی طور پر لازمی نہیں ہوتی، اس بنا پر
 وہ کسی تمدن کی ترقی کی دلیل نہیں قرار دیئے جاسکتے، ہم کو یہ علانیہ نظر آتا ہے کہ جب فنون
 لطیفہ ترقی کے ایک خاص درجہ تک پہنچ جاتے ہیں، یعنی جب ان میں عجوبگی اور جدت طرازی
 پیدا ہو جاتی ہے، تو دفعۃً ان میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے اور یہ انحطاط تمدن کی دوسری
 شاخوں کی رفتار کا تابع نہیں ہوتا یہ کلیہ کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، مصر، یونان
 اور یورپ کی مختلف قوموں میں اسکا عالمگیر اثر نظر آتا ہے، اور جب تک کوئی سیاسی شورش
 نہ پیدا ہو، یا قوم کسی جدید مذہب کو قبول نہ کرے، یا کوئی ایسا اہم واقعہ نہ پیدا ہو جائے جسکے
 اثر سے فنون لطیفہ متاثر ہو جائیں، اس وقت تک یہ عمل انحطاط سطر طور پر جاری رہتا ہے چنانچہ
 قرون وسطیٰ میں جب صلیبی لڑائیوں نے یورپ کو جدید علوم و فنون، اور جدید افکار و خیالات سے
 آشنا کیا، تو داخلی جدت طرازی ان فنون لطیفہ میں بھی نظر آئیں، اور رومانی طرز نے گاتھک

قالب میں ظہور کیا، اسکے چند صدیوں کے بعد علم ادب کا وہ دور گزر گیا، جو یونانی اور رومن تباہ دہشت گردی کے مجموعی اثر کا نتیجہ تھا، اور اسکے ساتھ فنون لطیفہ نے گاتھک دہشت کو چھوڑ کر موجودہ روش اختیار کیا، اسی طرح جب عرب ہندوستان میں آئے تو ان کے اثر سے ہندوستانی فنون لطیفہ میں بھی انقلاب پیدا ہو گیا،

فنون لطیفہ چونکہ بعض خاص جذبات، اور بعض خاص تمدنی ضروریات کا نتیجہ ہوتے ہیں، اسلئے ان جذبات اور ضروریات کے ساتھ لازمی طور پر ان میں تجدد اور تغیر ہوتا رہتا ہے، بلکہ کبھی کبھی ان جذبات اور ان ضروریات کے تغیر و زوال سے وہ کلیتہً معدوم بھی ہو جاتے ہیں، لیکن اس سے نفس تمدن پر زوال نہیں آتا بلکہ وہ اپنے اصلی آب و رنگ کے ساتھ قائم رہتا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فنون لطیفہ کو تمدن کی دوسری شاخوں کے ساتھ کسی قسم کی وابستگی، مناسبت اور توازن نہیں ہو، تمدن نے اس مانہ سے زیادہ کبھی ترقی نہیں کی تھی، لیکن با انیمہ اس مانہ سے زیادہ فنون لطیفہ کبھی عام اور متبذل نہیں ہوئے، اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ مذہبی خوش اعتقاد یاں، وہ مذہبی ضرورتیں اور وہ مذہبی احساسات اب بالکل بدل گئے ہیں جنہوں نے قدیم زمانے میں فنون لطیفہ کو تمدن کا دیباچہ زرین بنادیا تھا، اس مانے میں فنون لطیفہ کی جلوہ طرازی ان صرف مذہبی عبادت گاہوں میں نظر آتی تھیں، لیکن اب فنون لطیفہ صرف ریٹ زرنیت کا فنیہ خیال کئے جاتے ہیں، جس میں بہت زیادہ وقت اور بہت زیادہ روپیہ صرف کرنا جائز نہیں، چونکہ اس فن کا اب تمدنی ضروریات میں شمار نہیں کیا جاتا، اسلئے وہ ایک مصنوعی فرض بلکہ زیادہ تر ایک تقلیدی چیز بن گیا ہے، اسی بنا پر آج فنون لطیفہ کو کسی قوم کا مخصوص قومی فن نہیں قرار دیا جاسکتا، بلکہ ہر قوم دوسری قوم کے طرز عمل کی نقل اور تقلید کر رہی ہے، اگرچہ اس نقل سے بھی نقل کرنے والوں کی ضرورتوں اور خواہشوں کا پتہ چل سکتا ہے، لیکن یہ بالکل

یقینی ہے کہ یہ نقل خیالات اور جذبات پر کسی قسم کی دلالت نہ کرتی، اقوال و سلی کی تصویریں باوجود اپنی سادگی کے ہموکتا ہوتی ہیں کہ اس زمانے کے خوش اعتقاد مصور جو اُس مین مشیج جنت اور دوزخ کی جو تصویریں کھینچتے تھے، انکا اس زمانے میں خاص اثر تھا، اور وہ اس وقت حاصل زندگی خیال کیجائی تھیں، لیکن اس زمانے کے غیر مذہبی مصور عمارتوں کی دیواروں پر نوع انسان کے عہد طفولیت کی جو قدیم تصویریں صرف اس غرض سے بناتے ہیں کہ سہمہ گذشتہ کی یاد تازہ ہو جائے، انکے دیکھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص نقالی ہے،

نمون لطیفہ کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کی مخصوص کیفیت کو پیش نظر کر دے اور ہمو خود تصویروں کے اندر مصور کے اصلی محسوسات اور حقیقی مشاہدات کی تصویر نظر آجائے۔

لیکن اگر صرف اسی تصویریں بنائی جائیں جو ادون عقائد و خیالات کی ترجمانی کریں جیسا کہ خود اعتقاد نہیں رکھتے، تو حقیقی فن نہیں بلکہ نقالی اور تقلید ہے، ہمارے زمانے میں من حیث الفن صرف

ادون چیزوں کی تصویروں کو اصلی تصویر کہہ سکتے ہیں جو ہمارے گرد و پیش موجود ہیں، ہمارے زمانہ کا اصلی فن تعمیر وہ ہے جو ہمارے سامنے بیچ منز لہ عمارتوں، پانی کی نہروں، بڑے بڑے پلوں، اور سیکولائیٹک

ڈھانچہ کھڑا کرتا ہے، فن تعمیر کا مقصد انسان کو فائدہ پہنچانا ہے، اسلئے فن تعمیر کے یہی نمونے ہمارے

خیالات، اور جذبات کے موافق ہیں جس طرح گاتھک طرز کے گرجے اور عہد امرا کے محل

ایک مخصوص دور کو ہمارے پیش نظر کر دیتے ہیں، اسی طرح اس زمانے کا فن تعمیر موجودہ دور کی

صحیح تصویر کھینچ دیتا ہے، لیکن دور جدید کے مکانات اور عہد قدیم کے گرجے دونوں زمانہ آئندہ کے

انجینیر کو یکساں نظر آئیں گے، کیونکہ انکی وقعت اوسکے نزدیک ادون پتھر کی کتابوں کے صفحات

زیادہ نہ ہوگی، جنکو ہر زمانہ آنے والے زمانے کیلئے چھوڑ جاتا ہے، ہر طرز اور ہر روش اپنے

زمانہ کے خیالات کا آئینہ ہوتی ہو، اور چونکہ زمانہ اور زمانہ کے ساتھ تمام قومیں بدلتی رہتی ہیں، اسلئے ان خیالات میں بھی تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہو، لیکن یہ تمام خیالات فلسفیانہ حیثیت سے ایک ہی درجہ رکھتے ہیں، کیونکہ انکی وقعت اس سے زیادہ نہیں کہ توہ قومی علامتیں ہیں، اس لحاظ سے تمام قومی مظاہر کی طرح فنون لطیفہ بھی ایک قومی منظر ہے، اور اس حیثیت سے اس میں اور تمدن کی دوسری شاخوں میں کوئی فرق نہیں ہو لیکن بالانہدہ ٹھیک ٹھیک تمام قوموں کے خیالات کی ترجمانی نہیں کرتا،

ہمارے موضوع کے لحاظ سے یہ بحث درحقیقت نہایت ضروری بحث ہو، کیونکہ ہر تمدنی شاخ کی اہمیت کا صحیح معیار صرف اسوقت قائم کیا جاسکتا ہو، جب اس کلیہ کو پیش نظر رکھا جائے کہ جب کوئی قوم اسکو دوسری قوم سے منتقل کر کے اپنے یہاں لاتی ہو تو اس میں تغیر و تبدل پیدا کرنے کی کسقدر صلاحیت رکھتی ہو؟ اگر اس قوم کو فنون لطیفہ میں کامل و مسترس ہوتی ہو تو وہ جس مستعار کو اپنے خاص سانچے میں ڈال لیتی ہو، لیکن تمدن کی جو شاخیں خاص اس قوم کے اصلی جذبات کو نمایاں نہیں کرتیں، اونپر اس کا بہت کم اثر پڑتا ہو، چنانچہ جب رومن قوم نے یونانی طرز عمارت کی تقلید کی تو اس میں کوئی نمایاں تغیر نہیں پیدا کیا، کیونکہ رومن قوم کی روح کا مظہر فنون لطیفہ نہ تھے، بلکہ اس کا میلان تمدن کی دوسری شاخوں کی طرف تھا، لیکن بالانہدہ چند دنوں کے بعد آب و ہوا اور خیر و اذیاء خصوصیات کے اثر سے فنون لطیفہ بھی متاثر ہوتے ہیں اور اضطرار قومی روح پر ولات کرتے ہیں، یہاں تک کہ رومن قوم جیسی تہذیبست قوم بھی اون پر اپنا طغی اثر ڈال سکتی ہے، چنانچہ روم کی وہ قدیم عبادت گاہیں، وہ قدیم محل، وہ قدیم محرابیں درودہ قدیم نقش و نگار بھی جو اگرچہ یونانیوں یا یونانیوں کے شاگردوں کی صناعت کی عکسی تصویریں ہیں، تاہم ان کا آب و رنگ، نوکاسانہ و سامانہ، نوکاتول و عرض، اور انکی

تعمیر کا مقصد انہیں فکر کے نازک لطیف خیالات کی ترجانی نہیں کرتا، بلکہ اس جنگی قوت، اور فوجی شان و
 شوکت کا اظہار کرتا ہے، جس نے رومین ٹیل ڈال دی تھی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم
 جس چیز کو اپنے استعمال میں لاتی ہو گو وہ اصل میں اس کی قومی شخصیت سے خارج ہو، تاہم وہ اپنے
 اپنا ذاتی اثر ڈال ہی لیتی ہو، اور وہ ہکو اس کے مزاج عقلی، اور خیالات نفسانی کا پتہ دیتا ہو،
 اصل یہ کہ معمار، ادیب، شاعر، غرض ہر وہ شخص جو صنائع ہوتا ہو، اپنے اندر ایک
 ساحرانہ طاقت رکھتا ہو، جس کے ذریعہ سے اپنی صنایعوں کو اپنی قوم اور اپنے زمانہ کی روح کا حقیقی
 منظر بنا دیتا ہو، یہی وجہ ہے کہ ہر صنائع فطرۃً شدید الانفعال ہوتا ہو، اس کے احساسات الہامی اور
 فطری ہوتے ہیں، وہ صرف ظاہری صورتوں کا ادراک کرتا ہو اور انکی لم حقیقت سے بحث نہیں کرتا،
 اور اس بنا پر وہ اس جماعت کے خیالات کا آئینہ ہوتا ہو جس میں وہ زندگی بسر کرتا ہے، اس کی
 صنایعوں کے ذریعہ سے اس کے قومی تمدن کے متعلق نہایت سچی شہادت حاصل کی جاسکتی ہے، وہ
 جو کچھ دیکھتا ہو طوطے کی طرح اس کی نقل کر دیتا ہو، اسلئے وہ جو کچھ زبان حال سے کہتا ہو، اس میں
 غلطی کا احتمال نہیں ہوتا، اور سپر گروڈیش کے محسوسات کا شدت کے ساتھ اثر پڑتا ہو، اسلئے وہ
 تمدنی احساسات، تمدنی خیالات، تمدنی ضروریات، اور تمدنی میلان کی تعبیر میں جادوۂ اعتدال سے
 ذرہ برابر بھی نہیں ہٹتا، آزاد ہی خیال سے وہ بالکل نا آشنا ہوتا ہو، وہ اپنے عقیدہ کو تقلید
 اور اون مورو فی عقائد، خیالات، اور جذبات کے تنگ دائرہ میں محدود کر دیتا ہے، جن سے
 قومی روح پیدا ہوتی ہو، اور اسلئے ان تمام چیزوں کا اس پر شدت کے ساتھ اثر پڑتا ہو، جو کہ وہ
 غیر شاعرانہ افعال جہان اس کی صنایعوں کا خمیر اور قوام طیار ہوتا ہو، انہی جذبات و احساسات
 چشم دابر کا اشارہ ہوتے ہیں، آج اگر ہم اون تمام صنعتی یا گکاروں کو کھودیں اور زمانہ گزشتہ کے
 واقعات کے معلوم کرنے کا ذریعہ صرف اون اختراعی قصص و حکایات میں محدود ہو جائے تو تاریخ

کی کتابوں میں درج ہیں، تو دوراضی ہمارے نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو جائیگا،
 غرض فنون لطیفہ کا اصلی جوہر یہ ہے کہ وہ جس مانے میں پیدا ہوئے ہیں اُنکی ضروریات کی
 ٹھیک ٹھیک تعبیر کریں، اگرچہ فنون لطیفہ کی ہر شاخ نہایت فصاحت کے ساتھ ان ضروریات کی
 ترجمانی کرتی ہو، لیکن اُن میں عمارتوں کو خاص طور پر خصوصیت حاصل ہے، وہ کتابوں سے زیادہ
 حق گو ہیں، اور مذہبِ زبان کی نسبت انہیں بہت کم تصنع پایا جاتا ہے، کیونکہ احساس اور ضرورت
 دونوں نے اُن کو پیدا کیا ہے، معمار انسان اور خدا دونوں کا گھر بناتا ہے، اور عبادت گاہوں و خانقاہوں
 ہی کے اندر اُن اسباب کا خمیر طیار ہوا ہے، جنہوں نے تاریخِ انسانی کو پیدا کیا ہے،
 ان تمام بیانات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام تمدنی عناصر اُس قوم کی روح کا منظر ہیں جس نے
 اُن کو پیدا کیا ہے، اور اُن میں بعض اجزاء جو مختلف قوموں و مختلف زمانوں یا ایک ہی قوم کے تغیرات سے
 بدلتے رہتے ہیں، وہ اس روح پر بہ نسبت دوسرے اجزاء کے نہایت صحت کے ساتھ دلالت کتے ہیں،
 چونکہ یہ تمام تمدنی عناصر مختلف قوموں، اور مختلف زمانوں کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں،
 اسلئے نہ اُن میں کسی کو تمام قوموں کے تمدن کا عام معیار قرار دیا جاسکتا، نہ ان میں کوئی ترتیب
 قائم کی جاسکتی، کیونکہ زمانہ کے تغیرات سے اُنکی اہمیت بدل جاتی ہے، اور اُنکے ساتھ اس ترتیب میں
 بھی تغیر پیدا ہو جاتا ہے، اگر صرف مادی فوائد کے لحاظ سے تمدنی عناصر پر بحث کجائے تو تمدن کا
 سب سے اہم عنصر نظامِ فوج کو قرار دیا جاسکتا ہے، جسکے ذریعہ سے انسان دوسروں کو اپنا غلام
 بناتا ہے، اور اس حیثیت سے یونان کے اُوبار، فلاسفہ، اور ماہرین فنون لطیفہ کو روما کے اوباشوں کے
 مقابل میں، بصر کے حکماء کو نیم حشی امیران کی صف میں، ہندوؤں کو غیر تمدن مغلوں کے پہلو میں بہت
 ماننا پڑے گا، لیکن تاریخ اس دقیق تقسیم کو ماتم نہیں لگاتی، اُسکے نزدیک سب بڑی چیزیں جو وقتِ امتیاز
 مگر فوجی تفوق کے ساتھ دوسرے تمدنی عناصر بہت کم ترقی کرتے ہیں، فوجی تفوق دوسرے تمدنی

عناصر کے ساتھ بہت کم جمع ہو سکتا ہے کیونکہ فوجی غلبہ میں اوسوقت انحطاط پیدا ہو جاتا ہے جب خود کوئی قوم زوال پذیر ہوتی ہے چنانچہ تمام تمدن سلطنتیں تمدن کے مزاج کمال پر پہنچ کر فنا ہو گئیں اور اپنی جگہ اور وحشی قوموں کیلئے خالی کر دی، جو اگرچہ عقل میں اونسے بدرجہا پست رہتے تھے لیکن اون میں اخلاقی اور فوجی طاقت پائی جاتی تھی، اور یہ دونوں اخلاقی جو ہر ہمیشہ تمدنی سامان میں ڈھیر میں گم ہو جاتے ہیں، اور اس بنا پر ہم کو افسوس کے ساتھ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ تمدن کے جو عناصر (مثلاً نظام فوج) حکما کی نگاہ میں نہایت کم درجہ رکھتے ہیں، اجتماعی حیثیت سے اونکی قدر قیمت سب سے زیادہ ہوتی ہے، اگر گذشتہ زمانہ کا قانون طبعی آئے والے زمانہ پر بھی منطبق ہو سکتا ہے تو اعلیٰ درجہ کی تمدنی ترقیاں، قوم کے لیے سب سے زیادہ خطرناک ہیں جب کسی قوم کا شیرازہ اخلاق درجہ ہریم ہو جاتا ہے، تو وہ مرجاتی ہے، اور اخلاقی اوصاف میں اوسقدر تنزل پیدا ہوتا ہے جس قدر قوم عقل اور تمدن میں ترقی کرتی ہے،

دوسری فصل

مذہب، سیاسیات، اور زبان میں کیونکر تغیرات پیدا ہوتے ہیں؟
کوئی قوم تمدن ہو یا غیر تمدن، اپنے تمدنی عناصر میں فحشہ تغیر نہیں پیدا کر سکتی جن قوموں نے

اپنا مذہب، اپنی زبان، اور اپنے فنون لطیفہ کو بدل دیا ہے، انکی حالت سے اسکا مقابلہ جاپان کی مثال۔ یہ تغیر ظاہری ہے، بودھ، اسلام، عیسائیت، اور براہمنہ کے مذہب میں دن تو مونکے محاذ سے کئی تغیرات جنھوں نے ان مذہب کو قبول کیا ہے، سیاست اور زبان جب کسی قوم میں منتقل ہوتی ہے، تو اس قوم کی وجہ سے انہیں تغیرات، مختلف زبانوں کے مترادف الفاظ مختلف معانی و احساسات پر دلالت کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے کسی زبان کا دوسری زبان میں ترجمہ نہیں ہو سکتا، بعض قوموں کا تمدن جو تاریخی کتابوں میں بہت زیادہ تغیر پذیر نظر آتا ہے۔ اس کا سبب، تمدن و مذہب کا باہم جو اثر پڑتا ہے، اس کے حدود کیا ہیں؟

ہم کسی دوسری جگہ بیان کر آئے ہیں کہ تمدن تو میں غیر تمدن قوموں کو اپنے تمدنی خلق اثر میں نہیں لاسکتیں، اور یورپ نے اس تمدنی انقلاب میں تعلیم، تربیت، اور نظام سیاست وغیرہ کے ذریعہ سے جو فائدہ اٹھانا چاہا ہے، وہ بالکل ناکافی ہے، اس سلسلہ میں ہم نے اس مسئلہ کو نہایت واضح کر دیا ہے کہ تمام تمدنی شاخوں کا مبدرا اصلی قوم کا وہ مزاج عقلی ہوتا ہے جو مدتوں کے موروثی اثر سے پیدا ہو جاتا ہے، اور جب تک یہ مزاج نہ بدل جائے، تمدنی شاخوں میں کسی قسم کا تغیر نہیں پیدا کیا جاسکتا، لیکن مزاج عقلی کو صرف زمانہ ہی بدل سکتا ہے، خود دفاع تو میں

اوس میں کوئی تغیر نہیں پیدا کر سکتیں، ہر بہت درجہ قوم کو تمدنی مداح کے طے کرنے میں مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، چنانچہ جن وحشی قوموں نے یونانی تمدن کو پامال کر دیا اور ان کے حالات سے اسکی تصدیق ہو سکتی ہے، اس بنا پر جو لوگ تعلیم و تربیت کے ذریعے ان مراحل کو بچا دینا چاہتے ہیں، وہ اس قوم کے اخلاق کو پرانگندہ اور اوسکے دماغ کو پریشان کرتے ہیں، اور اسکو ایک ایسی سطح کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، جو پہلے سے بھی زیادہ پست ہے،

ہم نے اس مسئلہ میں غیر متمدن قوموں کے متعلق جو دلیل پیش کی ہے، وہ متمدن قوموں پر بھی صادق آتی ہے، اسلئے اگر وہ صحیح ہے، تو یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ متمدن قومیں اپنے تمدن میں دفعۃً کوئی تبدیلی نہیں پیدا کر سکتیں بلکہ اوکو اس تمدنی انقلاب میں تدریج مختلف مرحلوں اور مختلف دوروں سے ہو کر گزرنا پڑیگا، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ متمدن قوموں نے ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کیا ہے، ایک نظام سیاست کو دوسرے سیاسی نظام کے قالب میں بدل دیا ہے، ایک زبان کا دوسری زبان کے بجائے انتخاب کیا ہے، قدیم آرائی فنون لطیفہ کو چھوڑ کر جدید فنون لطیفہ کی پیکر آرائی کی ہے، لیکن حقیقت میں یہ انقلاب اسوقت ہوا ہے جبکہ قوم نے ان تمام چیزوں کو ایک مدت میں چلا دیکر اپنے مزاج عقلی کے موافق بنالیا ہے،

بظاہر تاریخ کا ہر صفحہ اس نظریہ کی مخالفت پر آمادہ نظر آتا ہے، ہم علانیہ دیکھ رہے ہیں

کہ بہت سی قوموں نے اپنے تمدنی عناصر بدل دیئے ہیں، اور اپنے قدیم مذہب، قدیم سیاست اور قدیم زبان کے بجائے جدید مذہب، جدید سیاست، اور جدید زبان کو اختیار کر لیا ہے، بعض اقوام نے اپنے آباء و اجداد کے مذہب کو چھوڑ کر عیسائی مذہب، بدھ مذہب، یا مذہب اسلام کے دائرہ میں داخل ہو گئی ہیں، بعض قوموں نے اپنی زبان بالکل بدل دی ہے، اور بعض قوموں نے اپنے نظام سیاست اور فنون لطیفہ کو بالکل دوسرے قالب میں ڈھال لیا ہے، بظاہر

اس قسم کے تمدنی انقلاب کے لیے ایک فاتح، ایک مشنری یا بعض قومی ہوسن سنیو کا وجود کافی ہے، لیکن درحقیقت تاریخ نے ان انقلابات کی روایت میں اپنی قدیم فطری غلطی کی تائید کی ہے، ورنہ اگر ہم ان انقلابات و تغیرات کو دقیق نگاہ سے دیکھیں، تو ہر نظر آئیگا، کہ صرف ان تمام چیزوں کے نام بدل گئے ہیں، حقیقت نہیں بدلی ہے، الفاظ کے تہ میں جو معنی تھے، وہ اب تک زندہ ہیں، اور ادن میں بہت دنوں کے بعد تغیر پیدا ہوگا،

اس مسئلہ کی تشریح کے لئے ہم کو مختلف قوموں کے تمدنی عناصر کو ایک جگہ جمع کرنا پڑیگا، یعنی ان کی ایک جدید تاریخ مرتب کرنا ہوگی، لیکن ہم نے اپنی مختلف کتابوں میں اس فرض کو ادا کر دیا ہے، اور یہ اس کے اعادہ کا موقع نہیں، اس جگہ تمام تمدنی عناصر کے بجائے صرف ایک عنصر یعنی فنون لطیفہ کا ذکر کافی ہوگا، لیکن فنون لطیفہ کے تغیرات کا ذکر ایک مستقل فصل میں آگے آئے گا، اس سے پہلے ادن تغیرات کا ذکر مناسب ہوگا جو تمدن کے دوسرے عناصر پر طاری ہوتے ہیں تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ جو نظریہ تمدن کے ایک عنصر پر صادق آتا ہے، وہ اس کے دوسرے عناصر پر بھی صادق آ سکتا ہے، اور جس طرح ہر قوم کے فنون لطیفہ اس کے مزاج عقلی کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اسی طرح یہ مناسبت زبان، نظام سیاست، اور مذہبی عقائد میں بھی پائی جاتی ہے، اور اس لحاظ سے نہ ادن میں دفعۃً کوئی تغیر پیدا ہو سکتا ہے، نہ اون کو کسی دوسری قوم میں منتقل کیا جاسکتا ہے، عام خیال یہ ہے کہ مذہبی انقلابات کی تاریخ اس نظریہ کے بالکل مخالف ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ صرف مذہبی تاریخ ہی میں اس نظریہ کی تصدیقی مثالیں ملتی ہیں، اور اوس میں اس قسم کے دلائل پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ جس طرح انسان اپنے قد و قامت، خط و خال، اور رنگ و روپ کے بدلنے کی قدرت نہیں رکھتا، اسی طرح کوئی قوم اپنے تمدنی عناصر میں تغیر نہیں پیدا کر سکتی،

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ تمام بڑے بڑے مذاہب مثلاً بودھ مذہب، ہندو مت، عیسائیت اور اسلام کے حلقہ اثر میں دفعہ بڑی بڑی قومیں داخل ہو گئیں ہیں، اور ان میں سے اپنے اپنے اصل مذہب کو دفعہ بدل دیا ہے، لیکن غور و فکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان قوموں نے اپنے قدیم مذہب کی حقیقت کو نہیں بدلا ہے، بلکہ صرف اس کے نام کو بدل دیا ہے، اور ان مذاہب جدیدہ نے ان کے قدیم مذہب میں کوئی تغیر نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ وہ خدا و ان کے قدیم عقائد کے قالب میں ڈھل گئے ہیں، اس بنا پر اس جدید مذہب کی حقیقت اس قدیم مذہب کے پھیلاؤ اور وسعت زیادہ نہیں، بلکہ ان مذاہب میں جو ایک قوم سے نقل ہو کر دوسری قوم میں آتے ہیں، اس قدر تغیر پیدا ہو جاتا ہے کہ صرف ان کا نام ہی نام باقی رہ جاتا ہے، بودھ مذہب اسکی ایک نمایان مثال ہے، چنانچہ جب وہ چین میں داخل ہوا تو اسکی تمام خصوصیات اس طرح مٹ گئیں کہ اول اول علمائے اسکو ایک مستقل مذہب خیال کیا اور ان کو ایک مدت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بودھ مذہب ہے، جس میں چینوں نے اس قدر تغیرات پیدا کر دیے ہیں، یہ مذہب ہندوستان چین، نیپال اور سیلون میں بھی قائم ہے، لیکن اسکی حقیقت ہر جگہ ایک دوسرے سے مختلف ہے، وہ ہندوستان میں قدیم برہمنی یا ہندو مذہب کی ایک شاخ ہے، اور ان دونوں میں بہت کم فرق پایا جاتا ہے، لیکن چین میں وہ اس مذہب سے گہرا تعلق رکھتا ہے جو اسکے پہلے وہاں عام طور پر موجود تھا، خود قدیم ہندو مذہب کی بھی یہی حالت ہے، ہندوستان مختلف ذاتوں کا مرکز ہے، اور اگرچہ ان سب کا مذہب ایک ہے، تاہم ان مختلف گروہوں کے عقائد میں ناگزیر طور پر اختلاف پایا جاتا ہے، ان میں جو لوگ قدیم برہمنی مذہب کے پابند ہیں، ان سب کا اعتقاد یہ ہے کہ ان کے سب سے بڑے معبود سنو، اور شیو ہیں، اور انکی مذہبی کتاب وید ہے، لیکن درحقیقت ان دونوں معبود کا نام ہی نام باقی رہ گیا ہے اور وید کی حقیقت چند الفاظ بے معنی سے زیادہ نہیں ہے، ان تمام لوگوں کے مقابل

میں اور بے شمار مذاہب، اور مختلف ذاتوں اور مختلف فرقوں کی طرح مختلف عقائد پیدا ہو گئے،
 ہندوستان میں مذہبی حیثیت سے توحید بھی پائی جاتی ہے، بہت سے مہبود بھی پوجے جاتے ہیں،
 حیوانات، جمادات، آبار و اجداد، بھوت پریت، غرض تمام دنیا کی پرستش بھی کی جاتی ہے، لیکن
 اگر ہم وید میں ہندوستان کے حقیقی مذہب کی تحقیقات کرنا چاہیں تو ہم کو ان تمام مہبودوں میں سے
 جو یہاں پوجے جاتے ہیں، اور ان تمام عقائد میں سے جو یہاں کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے
 ہیں صرف معدودے چند کا پتہ چلے گا، اس لحاظ سے اگرچہ ہر برہمنی مت اس کتاب مقدس کی
 عزت کرتا ہے، لیکن اس کتاب نے جس مذہب کی تلقین کی ہے، اس کا کوئی جزو محفوظ نہیں ہے، اسلام
 بھی باوجود اپنے عقیدہ توحید کی سادگی کے اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے چنانچہ ایران، عرب، اور
 ہندوستان کے اسلام میں عظیم الشان فرق ہے، ہندوستان میں چونکہ تعدد خدا یعنی شرک کا
 عقیدہ نہایت بختہ طور پر قائم ہو گیا تھا، اسلئے ہندوستانیوں نے سخت سے سخت موجدانہ مذہب
 میں بھی نہایت آسانی کے ساتھ بہت سے خدا پیدا کر لیے، پانچ کروڑ ہندوستانیوں کا اعتقاد
 کہ محمد صلعم اور دوسرے اولیاء خدا ہیں، اور انھوں نے اپنے ہزاروں مہبودوں کے ساتھ ان کا بھی
 اضافہ کر لیا ہے، علی حیثیت سے اسلام ہندوستان کے مسلمانوں میں مساوات بھی پیدا نہ کر سکا، حالانکہ
 مساوات ہی اس کی اشاعت کا ایک قوی ترین ذریعہ تھی، ہندوؤں کی طرح ہندوستان کے
 مسلمانوں میں بھی مختلف ذاتیں موجود ہیں، دکن اور وراگن قبائل میں اسلام کی صورت اتھ
 منج ہو گئی ہے کہ اس میں اور ہندوؤں میں صرف اس قدر فرق ہے کہ مسلمان محمد صلعم کا نام لیتے ہیں، اور
 جمعہ جماعت قائم کرتے ہیں، لیکن انھوں نے اپنے پیغمبر کو بھی خدا کی حیثیت دیدی ہے، اور
 ملے نہیں معلوم معنی نے ہندوستان کے یہ کس فرقہ بغیر معلوم کی طرف اشارہ کیا ہے، شاید اس کا مقصد خود جماعت سے ہے
 مگر اس کی اس قدر تعداد نہیں، یا عوام قریب پرست مسلمانوں سے ہے،

اسکی سیطرہ عظمت بھی کرتے ہیں،

اسلام کے ان تغیرات کے مشاہدہ کے لیے ہم کو ہندوستان کے سفر کی ضرورت نہیں، مسلمانانِ اجمرا اعر (الجیریا) کی حالت کا مطالعہ کر لینا کافی ہے اجمرا اگرچہ دو مختلف قبیلے ہیں، یعنی عرب، اور بربر، اور دونوں کے دونوں مسلمان ہیں، لیکن دونوں کے میں بڑا فرق ہے، بربر لوگ تعداد و زولج کے قائل نہیں، انکا ایمان صرف ایک بی بی پر ہے اور ان کے اسلام میں دس بت پرستی کی بھی آمیزش پائی جاتی ہے، جسکے وہ کار بھیج دو رسکوت سے غور ہو گئے تھے،

یورپ میں بھی عیسائی مذہب اختلافات اقوام کی بنا پر ان تغیرات سے محفوظ نہیں رہتا لوگ ہیں، جو مذہبی کتابوں کے اصول و قواعد کو بظاہر محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، لیکن پھر بھی وہ الفاظ ہیں، اور ان الفاظ کی تشریح و تفسیر میں ہر قوم نے مختلف مذاہب اختیار کیے ہیں، عیسائیوں میں بعض تو خالص بت پرست ہیں، چنانچہ نیشی برطانیہ کے باشندے بتوں کی پرستش کرتے ہیں، اسپین کے عیسائی مخلوقات کو خدا قرار دیتے ہیں، اٹلی کے وہ مقامی عیسائی مریم عذراء کے مجسمہ کو خدا مانتے ہیں، اگر ہم زیادہ غور و فکر سے کام لیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ پروسٹنٹ مذہب بھی دو مختلف قوموں یعنی یورپ کی شمالی و جنوبی اقوام کے اسی تفسیری اختلاف کا نتیجہ ہے، اول الذکر نے اپنے عقائد خود اجتہادی طور پر قائم کئے، اور معاملات زندگی کو خود اپنے فہم اور فیصلہ کے مطابق طے کر لیا، لیکن جنوبی قوم اپنے قدیم جو دو تقشف اور عقلی و اجتہادی پستی پر قائم رہ گئی،

ان مشاہدات کی تشریح و توضیح میں طوالت پیدا ہوتی جاتی ہے، اس بنا پر ہم صرف تمدن کے دو عنصر یعنی نظام سیاست اور زبان کا ذکر اور کرنا چاہتے ہیں،

یہ نظریہ مذہب اور سیاست دونوں پر یکساں دتا ہے یعنی مذہب کی طرح سیاست بھی جب ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہوتی ہے، تو اسکی صورت بالکل بدل جاتی ہے، زیادہ ہول

بیانی کی ضرورت نہیں، ہر شخص خود اپنے زمانہ میں دیکھ سکتا ہے کہ قوموں کے اختلاف کی بنا پر ایک ہی سیاسی نظام میں کس قدر تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ جب ہم ممالک متحدہ امریکہ پر بحث کریں گے تو ایک مستقل فصل میں اسکی تشریح کر دیں گے،

ہر سیاسی نظام حقیقت ضرورت کا نتیجہ ہوتا ہے، اور صرف ایک نسل کا ارادہ اس پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا، بلکہ قومی انقلاب کے ہر دور میں خاص احساسات، خاص خیالات خاص موردی آثار پیدا ہو جاتے ہیں اور ان تمام حالات میں ایک مخصوص نظام سیاست کی ضرورت ہوتی ہے، جو دوسری حالتوں کے لیے موزوں نہیں ہوتا، نظام سیاست میں حکومت کوئی دخل نہیں ہے، اور دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس نے محض اپنی خواہش کے موافق اپنے نظام سیاست کو قائم کیا ہو اور اگر شاؤ ونا در کسی قوم نے ایسا کیا بھی تو وہ اسکو قائم نہیں رکھ سکی، ہمارے یہاں ایک مدت سے جو سیاسی انقلابات پیدا ہوتے رہتے ہیں، انھوں نے مدبرین سیاست کو اس حقیقت کا یقین دلادیا ہوگا، بلکہ میرا گمان تو یہ ہے کہ بجز کچھ فہم عامی اور متعصب لوگوں کے کسی کا یہ خیال نہیں ہے کہ عظیم الشان اجتماعی تغیرات، صرف فرمان شاہی کے ذریعہ سے پیدا کیے جاسکتے ہیں، ہر نظام سیاست صرف اس لیے مفید خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ان تغیرات کو مستحکم کر دیتا ہے، جو اخلاق اور خیالات میں پیدا ہو جاتے ہیں، اس لحاظ سے وہ اخلاق و افکار کا تابع ہے ان پر مقدم نہیں ہے، حقیقت کوئی سیاسی یا اجتماعی نظام انسان کے اخلاق و فکر میں نہ تغیر پیدا کرتا نہ کسی قوم کو کافریا پابند مہب بناتا نہ لوگوں کو آزادی و استقلال کی تعلیم دیتا، نہ ان کے کلمے میں حقوق و رنجیڑا لکرا کر حکومت کا غلام بنانا،

نظام سیاست کی طرح ایک زبان بھی جیسے کسی قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہوتی ہے تو اس میں تغیر و تبدل ہوتا ہے، اس بنا پر تمام دنیا کے لیے ایک مشترکہ زبان کے ایجاد کرنے کا

خیال ایک طفلانہ ہوس پرستی ہو، یہ سچ ہے کہ گال قوم نے رومن فتوحات کی دو صدی بعد لاطینی زبان کو اختیار کر لیا تھا، لیکن انھوں نے اپنی ضروریات کے مطابق بہت جلد اُس میں تغیرات بھی پیدا کر دیے، اور اُسکو اپنے خیالات کے رنگ میں رنگ لیا چنانچہ اُسی کا نام آج فریج زبان ہے، مختلف قومیں بہت دنوں تک ایک ہی زبان کا استعمال نہیں کر سکتیں بلکہ تجارتی ضروریات اور ملکی فتوحات کے اثر سے اُنکو اپنی اصلی زبان کے علاوہ دوسری زبان سے بھی کام لینا پڑتا ہے، اس طرح چند نسلوں کے بعد اس جدید زبان میں عظیم الشان تغیر پیدا ہو جاتا ہے، اور جب درشتوں کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے، اسقدر یہ تغیرات بڑھتے جاتے ہیں،

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ مختلف قوموں کی مختلف زبانیں ہوتی ہیں، چنانچہ ہندوستان اسکی سب سے زیادہ بدیہی مثال ہے، یہاں مختلف قومیں آباد ہیں، اور اس بنا پر اگر علماء یہاں کی زبانوں کی تعداد دو سو چالیس بتاتی ہے، تو یہ کوئی تعجب کی چیز بات نہیں، یونانی اور فریج زبان میں جس قدر فرق ہے، ہندوستان کی بعض زبانوں میں اس سے بہت زیادہ باہمی فرق موجود ہے، ہندوستان میں تین سو بولیائیں بھی ہیں لیکن ان میں سے زیادہ مہتمم بالشان وہ زبان ہے، جو ان سب میں سے زیادہ نئی ہے، یعنی اُردو جس کی عمر تین سو برس سے زیادہ نہیں یہاں فارسی، اور عربی سے جو فاضلین ہندوستان کی زبان تھی، اور ہندی سے جو اس ملک کی زبانوں میں سب سے زیادہ عام اور متداول تھی مرکب ہو لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد فاتح اور مغتوح دونوں نے اپنی اصلی زبان بھلا دی، اور ان دونوں فرقوں کے اختلاط سے جو جدید نسل پیدا ہوئی اُس نے اپنی ضرورت کے مطابق اُردو کو اپنی عام زبان بنالیا،

زبان کے متعلق سب سے بڑا اساسی مسئلہ یہ ہے کہ قوموں کے اختلافات سے الفاظ کے معانی میں بھی اسقدر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کہ دو ہم معنی الفاظ میں بھی اسقدر فرق محسوس

ہوتا ہے کہ گویا وہ مراد الفاظ نہ تھے اور اس لئے ایک زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں نہیں ہو سکتا خود ایک ہی قوم کی زبان میں اسکی خالین مل سکتی ہیں، مثلاً ایک زمانے میں ایک لفظ کسی خاص معنی میں مستعمل ہوتا ہے پھر چند سال کے بعد اسکے معنی بدل جاتے ہیں، پُرانے لوگوں کے دلون میں صرف اسی قدیم معنی کا تصور پیدا ہوتا تھا، بعد کو اخلاق و عادات، اور خیالات تغیرات سے الفاظ کے معانی میں بھی تغیرات پیدا ہو گئے، لیکن ان قدیم الفاظ کا بدلنا چونکہ ناممکن تھا، اسلئے بول چال میں انہی کا استعمال ہوتا رہا، تاہم ان قدیم و جدید معانی میں ایک خاص قسم کی مناسبت ضرور قائم رہتی ہے، اگر ہم کو قدیم قوموں کے تاریخی مطالعہ سے یہ نظر آئے کہ ہمارے اور ان کے تمدن میں کوئی مناسبت نہیں ہے، تو ہم کو صاف طور پر معلوم ہو جائیگا، کہ اگر ہماری زبان میں ان کی زبان کا ترجمہ کیا جائے، تو اسکا صرف یہ نتیجہ نکلے گا، کہ ہماری زبان میں چند الفاظ کا اضافہ ہو جائیگا جبکہ کمال قدیم معانی سے خالی ہوگا، یعنی ان الفاظ کے ذریعہ سے جو قصور ان قدیم قوموں کے دلون میں پیدا ہوتا تھا، وہی ہمارے دلون میں بالکل اُسکے مخالف خیال پیدا کریں گے، ہندوستان میں یہ نظریہ سب سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے، سیاسی انقلابات سے چونکہ ہندوستانی خیالات میں ہمیشہ انقلاب ہوتا رہا، اس لئے یورپ کی طرح وہاں کے الفاظ معانی میں بھی استحکام و ثبات نہیں پیدا ہوا، اسکے علاوہ یورپ میں اور ہندوستانی خیالات میں کسی قسم کا تعلق بھی نہیں ہے، اس بنا پر بہت سی منسکرت کتابوں کا ترجمہ یورپین زبانوں میں نہیں ہو سکتا، مثلاً وید کے ترجمہ کے لئے یورپ میں جو کوششیں ہوئیں سب کی سب ناکامیاب ثابت ہوئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو توین عمر میں، تو میت میں تربیت میں ہم سے مختلف ہیں، انکے خیالات کی تہ تک پہنچنا نہایت مشکل، اور قدیم قوموں کے خیالات کا دریافت کرنا تو اس سے

بھی زیادہ مشکل ہے، ہم کہتے ہی علمی ترقی کر جائیں، یہ مرحلہ طے نہیں ہو سکتا، بلکہ جس قدر علم کو ترقی ہوگی اسی قدر ہم پر واضح ہوتا جائے گا کہ اس سفر سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا،

ان چند مثالوں سے اُن تغیرات کی حقیقت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جن کو قومیں ان تمدنی عناصر میں کر لیتی ہیں جو دوسری قوموں سے اخذ کئے جاتے ہیں، بعض اوقات یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تغیرات نہایت وسیع پیمانے پر پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ ان تمام تمدنی عناصر کے نام فوراً بدل جاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ نہایت کم رونما ہوتے ہیں لیکن جب بہت سی نسلیں گزرتی ہیں، اور وراثت کا اثر پے در پے پڑتا رہتا ہے، تب بھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ جو تمدنی عنصر کسی غیر قوم سے لیا گیا تھا وہ اُس عنصر سے مخالف تھا جس کا وہ قائم مقام ہوا، لیکن تاریخ کے ذریعہ سے ان تغیرات کا پتہ نہیں چل سکتا، کیونکہ تاریخ میں صرف ظاہری چیزوں سے بحث کی جاتی ہے، مثلاً جب ہم تاریخوں میں پڑھتے ہیں کہ فلان قوم نے اپنے اصلی مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیا ہے، تو ہم سمجھتے ہیں کہ حقیقت اُس نے اس اصلی مذہب کو قبول کر لیا ہے، اور اُن خود ساختہ عقائد کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جن کو اس قوم نے اس مذہب میں شامل کر دیا ہے اس بنا پر جو لوگ حقیقت کو الفاظ سے الگ کر کے دیکھنا چاہتے ہیں، اُن کو نہایت غور سے ان تغیرات کا مطالعہ کرنا چاہیے، تاکہ انکی تدریجی رفتار اور نشوونما کی کمیت و کیفیت سے انکو کامل واقفیت ہو جائے،

تمدن کی تاریخ حقیقت انہی تدریجی تغیرات سے مرتب ہوتی ہے اور اگر ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ وہ دفتر نہایت وسیع پیمانے پر پیدا ہو گئے ہیں، تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اوّل اور آخر کی کرہوں کو پیش نظر رکھتے ہیں، اور بیچ کے انقلابات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، یا صرف آخری

تغیر کو دیکھتے ہیں،

اصل یہ جو کہ قوموں کی قوت عقلیہ جس قدر ترقی یافتہ ہوگی، اور اُن کا لگ بھگ حصہ بلند ہوگا، اُسی نسبت سے وہ تمدنی عناصر کو اپنے قالب میں ڈھال سکیں گی، جو چیز ابھی تک پیدا نہیں ہوئی ہو، یا جو چیز ہمارے اخلاق اور احساس کے لئے موزون نہیں ہے، ہمارا دماغ اس پر ایک دن میں اپنا عمل نہیں کر سکتا، اس قسم کی موردنی چیزوں کی نقل و منت ہو سکتی ہے جب فتنہ رفتہ اون کے ساتھ دوسری موردنی چیزوں کی آمیزش کی جائے، قدیم زمانے میں یونانیوں جیسی ذہین اور طبائع قوم نے ایک طویل زمانے کے بعد اشوری اور مصری قوموں کے فنون لطیفہ کی نقل کے دائرہ سے آگے قدم بڑھایا، اور نہایت تدریجی ترقی کے ساتھ اُن تمام مباح کو طے کیا، جن کی بنا پر اسکی صنایع ان عجوبہ روزگار خیال کیجاتی ہیں، مصری اور کلدانی قوموں کے سوا تمام قدیم قوموں نے گذشتہ تمدنی عناصر کی نقل کی ہے، اور اُس میں اپنے مزاج عقلی کے موافق تصرفات کر لئے ہیں، اگر ہر قوم گذشتہ قوموں سے استفادہ نہ کرتی تو تمدنی ترقی کی رفتار نہایت سُست ہوتی، اور ہر قوم کی تاریخ کا آغاز بالکل مستقل طور پر ہوتا، ہم کو صاف نظر آتا ہے کہ آج سے سات آٹھ ہزار برس پیشتر مصریوں اور کلدانیوں نے جس تمدن کو پیدا کیا تھا، اُس سے تمام آنے والی قوموں نے فائدہ اٹھایا، یونانی فنون لطیفہ نے جلد اورتین ہی کے کنا سے شاخ و برگ نکالے، اور رومی صنعت طرازیوں کی ذریعہ یونانی فنون لطیفہ کی سطح پر ڈالی گئی، رومی طرز مشرقی موثرات سے متاثر ہوا، اور اس ذریعہ سے بے دریغ مینرٹائن (مشرقی رومی)، اور گاتھک طرز پیدا ہوئے، ان سب کا مبداء اگرچہ ایک ہی ہے لیکن ہر قوم کی روح نے ان میں اختلافات پیدا کر دیئے ہیں،

بعینہ ہی نظریہ تمدن کے دوسرے عناصر یعنی نظام سیاست، زبان اور عقائد پر

بھی منطبق ہوتا ہو، چنانچہ یورپ کی تمام زبانیں، اُس زبان سے نکلی ہیں، جو قدیم زمانہ میں ایشیا کے ایک حصہ میں بولی جاتی تھی، ہمارا علم قانون رومن لاکا فرزند ہے اور رومن لاجبی اُن قوانین سے ماخوذ ہے، جو اس کے پہلے موجود تھے، موسوی مذہب پہلے کلدانیوں کے مذہب کے اختلاط سے پیدا ہوا، اس کے بعد اُس میں آریں قوموں کے عقائد شامل ہو گئے، اور اس ترکیب امتزاج سے وہ مذہب وجود میں آیا، جس کا یورپ تقریباً دو ہزار برس سے حلقہ گوش ہے، اس طرح اگر موجودہ علوم و فنون دور گزشتہ سے متاثر نہ ہوتے، تو آج وہ ترقی کے اس درجہ تک نہ پہنچتے۔ جدید علم ہیئت کے اساطین یعنی کوپرنیک، گیل، نیوٹن، سب کے سب بطلموس کے خوشہ چین ہیں، جن کی تصنیفات پندرہویں صدی تک اس فن کی نہایت متداول کتابیں تھیں۔ نوو بطلموس مصر کے مدرسہ اسکندریہ کا شاگرد ہے، جو مصریوں اور کلدانیوں کے معلومات کا مخزن تھا، ہیکو قوموں کی تمدنی تاریخ میں جو کمی محسوس ہوتی ہے، اس میں ہم کو اپنے علوم و فنون کی تدریجی رفتار کی جھلک نظر آتی ہے، چنانچہ اگر ہم اس کو پیش نظر رکھ کر گزشتہ دور کی طرف بڑھیں تو گزشتہ تمدنوں کا مطالعہ بھی صاف روشن ہو جائے گا، اور آج تو علماء ان تغیرات کو سامنے رکھ کر، اُس زمانہ کے حالات دریافت کرنا چاہتے ہیں جس میں انسانی تاریخ کا وجود نہ تھا، حالانکہ ان سب کا ماخذ ایک ہے، ہر قوم نے اپنے دور ترقی و منزل میں اپنے مزاج عقلی کے موافق اس میں تغیرات پیدا کر لئے ہیں، اور تمدن کی تاریخ درحقیقت انہی تغیرات کی تاریخ کا مجموعہ ہے۔

اس تمام تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اجزائے اولین جن کے ذریعہ سے کسی قوم کا تمدن پیدا ہوا ہے، اُس قوم کے ساتھ مخصوص اور اس کے عقل و دماغ کا خلاصہ ہیں، اور جب تک ادن میں عظیم الشان تغیر نہ پیدا کر لیا جائے، وہ کسی دوسری قوم کی طرف منتقل نہیں

ہو سکتے، یہ تغیر نہایت نمایان چیز ہے، لیکن کبھی تو اُن پر لغوی ضرورتیں پردہ ڈال دیتی ہیں جن کی وجہ سے ہم مختلف معانی کو ایک ہی قسم کے الفاظ سے ادا کرتے ہیں، اور کبھی تاریخی ضرورتیں ادن کو چھپا دیتی ہیں جن کی وجہ سے تمدن کا دور ابتدائی اور دور انتہائی تو ہمارے پیش نظر ہو جاتا ہے، لیکن سچ کی وہ کڑیاں جو ان دونوں کو باہم ملاتی تھیں گم ہو جاتی ہیں، لیکن ہم آئندہ فصل میں جس میں فنون لطیفہ کے تغیرات کا ذکر ہے، تفصیل کے ساتھ بتائیں گے کہ تمام تمدنی عناصر ایک قوم سے دوسری قوم کے یہاں جا کر کیوں کر اپنا قالب بدل لیتے ہیں،



تیسری فصل

فنون لطیفہ میں کیونکر تغیر پیدا ہوتا ہے؟

مشرقی قوموں کے فنون لطیفہ پر نظریات سابقہ کی تطبیق، مصر، وہ مذہبی خیالات جنہوں
 لطیفہ کا مروج ہوتے ہیں، مصریوں سے منتقل ہو کر جب فنون لطیفہ ایران اور یونان وغیرہ میں آئے
 تو اُن کا کیا حال ہوا؟ ابتدائی زمانہ میں یونانی فنون لطیفہ کا انحطاط، اُن کا سست و ناتواں تغیر
 یونانی، اشوری اور مصری فنون لطیفہ کا ایران میں آ کر رنگ بدلنا، فنون لطیفہ کے تغیرات کا
 سبب خود قوم ہوتی ہے، نہ کہ مذہبی عقائد جو مختلف قومیں اسلام لائیں، اور ان کے ذریعہ سے
 عربی فنون لطیفہ میں جو کچھ تغیرات پیدا ہوئے اُن کے ذریعہ سے اسکی مثالیں، ہندوستانی فنون
 لطیفہ کے اخذ اور اُن کے تغیرات پر ان نظریات کا انطباق، یونان اور ہندوستان دونوں کے
 فنون لطیفہ کا اخذ ایک ہی، صرف ان دونوں قوموں کے اختلاف نے ہر ایک کے فنون
 لطیفہ کو دوسرے سے ممتاز اور الگ کر دیا ہے، ہندوستان میں جو مختلف قومیں آباد ہیں
 اُن کے لحاظ سے علیٰ رغم مذہب فنون لطیفہ میں تغیرات،

ہم نے اس نظریہ کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے، کہ ہر قوم کے مزاج عقلی
 اور اُس کے عقائد، زبان، اور نظام سیاست میں ایک خاص مناسبت ہوتی ہے، اگرچہ اس
 مسئلہ کی کامل تشریح کے لیے متعدد تصنیفات کی ضرورت ہے، تاہم فنون لطیفہ کی بحث کے
 لیے انہیں ہر کس فصل میں علامتوں و دشواریوں کے نام آتے ہیں، ہم اُن میں اکثر کی تصحیح نہ کر سکے اور اُن کے اجمالاً نہ دیکھ سکے،

ذیل میں اس کی کافی توضیح کی جاسکتی ہے، مذہب و سیاست اسی چیز ہیں جو تمام قوموں پر یکساں صادق نہیں آتیں، ان میں دقیق و اطمین کی جاسکتی ہیں، اور مختلف نسلوں کے ان مختلف واقعات کو ڈھونڈنا پڑتا ہے، جو قدیم فرسودہ بلکہ مردہ کتابوں کے تیر میں چھپے ہوئے ہیں، اور باوجود اس نقد و بحث کے ان سے کوئی متفقہ نتیجہ نہیں نکلتا، لیکن فنون لطیفہ، بالخصوص فنِ عمارت کی حالت ان دونوں سے بالکل مختلف ہے، انکی ایک خاص حد معین ہے، اسلئے نہایت آسانی کے ساتھ ان کی تفسیر کی جاسکتی ہے، غرض یہ پتھر کی کتابیں تمام دنیا کی کتابوں سے زیادہ صاف، واضح، اور آسان ہیں، اور انکی زبان کبھی دروغ بیانی سے آلودہ نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ میں نے مشرقی تمدن پر جو کچھ لکھا ہے، اُس میں فنون لطیفہ کو خاص طور پر اہمیت دی ہے، میں لٹریچر کی کتابوں سے شدت کے ساتھ احتراز کرتا ہوں، کیونکہ وہ فائدہ کم پہنچاتی ہیں، اور گراہ زیادہ کرتی ہیں، لیکن آثار قدیمہ بہت کم بھٹکتے دیتے ہیں، اور ہمیشہ فائدہ پہنچاتے ہیں، اور قدیم بر باد شدہ قوموں کے خیالات کا ان سے زیادہ امین اور محافظ کوئی نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ مجھے ان نادانوں کی عقل پر جو اپنی تمام تر توجہ صرف ان عمارتوں کے نقش و نگار پر مبذول کرتے ہیں رونما آتا ہے، اس فصل میں میں نے کھانا چاہتا ہوں کہ فنون لطیفہ ہر قوم کے مزاج عقلی کا دیباچہ ہوتے ہیں، اور جب وہ ایک تمدن سے منتقل ہو کر دوسرے تمدن کے ساتھ ملتے ہیں تو ان میں کیونکر تغیرات پیدا ہوتے ہیں؟ میں اپنی بحث کو مشرقی قوموں کے فنون لطیفہ تک محدود رکھوں گا، کیونکہ یورپ کے فنون لطیفہ پر بھی اگرچہ یہ تمام نظریات صادق آتے ہیں، لیکن یہ مختصر کتاب ان تمام تغیرات کی گنجائش نہیں رکھتی، جو یورپ کی مختلف قوموں کے یہاں فنون لطیفہ پر طاری ہوئے ہیں۔

سب سے پہلے میں مصر کے فنون لطیفہ کا ذکر کرتا ہوں، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ پہلے درجے میں

قوموں، یعنی افریقیوں، ایرانیوں، اور یونانیوں کے یہاں جا کر اُس نے کیا کیا نگٹ لے؟
 تمام دنیا کے تمدنی سرمایہ میں مصری تمدن سے زیادہ کمال طور پر کوئی تمدن فنون لطیفہ
 کے متعلق رہنمائی نہیں کر سکتا، مصری فنون لطیفہ کو دریائے نیل کے کناروں سے ایسی
 خصوصیت اور وابستگی ہے کہ جب تک اُن کی صورت بدل نہ دی جائے وہ کسی دوسری
 قوم میں منتقل نہیں ہو سکتے،

مصری فنون لطیفہ بالخصوص فن عمارت کی ابتداء ایک خاص خیال سے ہوئی ہے
 اور پورے پچاس صدی تک تمام قوم نے اُس خیال کو پیش نظر رکھا، مصریچاہتا تھا کہ اس
 فانی زندگی کے بجائے انسان کے لیے ایک ابدی دارالقرار بنائے اس بنا پر اس نے مومیات کے
 ساتھ شدت کے ساتھ اعتنا کیا، جواب تک وہاں کے مقابر میں دست برد زانہ سے محفوظ رہیں
 اس لحاظ سے مصری عمارتوں میں ساتھ ساتھ مذہبی احساسات اور جذبات دونوں کی جھلکائی
 جاتی ہے، وہ مومیات کے لیے تعمیر کی گئی ہیں، بتوں کے لیے اُنکاسنگ بنیاد رکھا گیا، اسی غرض
 سے تہ خانے کھودے گئے ہیں، چٹانیں بلند کی گئی ہیں، ستون کھڑے کئے گئے ہیں، منارے بنائے
 گئے ہیں، اور اسی مقصد کے لیے، ابوالہول کے شاندار مجسمے کو چٹانوں کے تخت پر نمایاں کیا گیا ہے
 چونکہ یہ عمارتیں صرف اس غرض سے تعمیر کی جاتی تھیں کہ ابدالاباد تک قائم رہیں، اس لیے
 اون کا ہر جز و نہایت مضبوط، اور عظیم الشان ہے، ان عمارتوں سے مصر کے جذبات اس قدر
 نمایاں ہوتے ہیں کہ اگر صرف مصری قوم دنیا کی قدیم ترین قوم ہوتی، تو ہوا اسکے کہنے میں کوئی
 تامل نہ ہوتا کہ فنون لطیفہ اس قوم کی روح کا اصلی قالب ہیں جس نے انکو ایجاد کیا ہے۔
 مصریوں کے بعد مختلف قوموں کا دور آیا، اُن میں بعض غیر تمدن تھیں مثلاً ایتھوپیا
 حبشی، بعض تمدن تھیں جیسے ایرانی اور یونانی، ان تمام قوموں نے یا تو صرف مصریوں

فنون لطیفہ کی زلہ ربائی کی، یا ادون کے ساتھ اشوری قوم کی صنایعوں سے بھی فائدہ اٹھایا چلا
ان قوموں میں فنون لطیفہ نے جو صورتیں بدلیں ان کی تفصیل کے لیے ہیکو سب سے پہلے اہل تھوپیا کے
فنون لطیفہ کی حالت بیان کرنی چاہیے، جو ان تمام قوموں میں نہایت غیر تمدن تھے،
مصر کے چوبیسویں خاندان شاہی کے طویل زمانے کے بعد جو اسکی تہذیب و ترقی کا
عہد زرین تھا جب وہاں طوائف الملوکی اور انحطاط کا دور شروع ہوا، تو وہ نئے سوڈانی قوموں نے
اس موقع سے فائدہ اٹھایا، اور اس تمدن ملک کے بعض صوبوں پر قابض ہو گئے اور انھوں نے
سب سے پہلے اپنا دار السلطنت شہر نباتہ کو بنایا، اسکے بعد وہ شہر مروسی میں منتقل ہو گیا، اور کئی
صدی تک انہی اصلی حالت پر قائم رہا، ان وحشی قوموں کو مفتوح قوم کے تمدن نے بہت کڑا ایسا
انھوں نے اس کے آثار اور فنون لطیفہ کی نقل شروع کی، اس نقل و تقلید نے جو نتائج پیدا کئے
وہ ہمارے سامنے ہیں لیکن اون سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ بالکل طفلانہ تقلید اور فنون لطیفہ کی
کی ایک مسخ شدہ صورت ہے، کیونکہ حبشی تو میں اپنے عقلی تنزل کی بنا پر ہمیشہ وحشت ہی کی
حالت میں رہیں، اور اگرچہ ایک مدت تک مصری تمدن نے ادون پر اثر ڈالا، تاہم وہ اپنے
اصل دائرہ سے نہ نکل سکے، قدیم و جدید تاریخ کی کسی مثال سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ حبشیوں کی
کسی قوم میں بھی کبھی تمدن آیا ہو، اور اگر نجات و اتفاق سے کسی قوم کے ہاتھ میں تمدنی شیرازہ
آ بھی گیا، تو وہ بہت جلد درہم برہم ہو گیا، اور انحطاط کی سب سے آخری صورت اختیار
کر لی، زمانہ قدیم میں اہل تھوپیا (حبشہ) کے یہاں تمدن کا یہی حال رہا، اور موجودہ زمانے میں
ایتیائی قوم کا بھی یہی حال ہے۔

اس کے بعد یونانیوں کا دور شروع ہوا، اور انھوں نے اول اول مصری اور اشوری

قوم کے فنون لطیفہ کی نقل کی، یونانیوں نے ان قوموں کی صنایع کے جو نمونے پیش نظر رکھے تھے، وہ ان کو ایک توفینشین قوم کے ذریعہ سے ہاتھ آئے تھے جس نے بحری راستوں کے ذریعہ سے تمام سواحل میں سلسلہ اتصال قائم کر دیا تھا، دوسرے ایشیائے کوچک کی اون قوموں کے توسط سے جنہوں نے نینوہی اور بابل کے درمیان تمام خشکی کے راستوں پر قبضہ کر لیا تھا،

اگرچہ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ انیہر میں یونانی اپنے استادوں سے بھی بڑھ گئے تاہم اس زمانے کے محققین آثار قدیمہ کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں اون کی ابتدائی کوششیں سخت ناکامیاب و زناکمل تھیں، اور ایک طویل زمانے کے گزرنے کے بعد انھوں نے فنون لطیفہ کے اون عجائبات کو دنیا کے سامنے پیش کیا جو انکی ابدی یادگار ہیں، چنانچہ وہ سات سو برس کے بعد اس درجہ کو پہنچے کہ انھوں نے فنون لطیفہ کو خاص اپنا فن بنایا، زمانہ سابق کی نسبت زیادہ تر اخیر زمانے میں انکی ترقیوں کا ظہور ہو چکی وجہ یہ ہے کہ تمدنی ترقی میں قوم کو جن دوروں سے گزرنا پڑتا ہے، اون میں دور اخیر کی بہ نسبت دور اول نہایت طویل ہوتا ہے، یونانی فنون لطیفہ کی سب سے زیادہ قدیم مثال سینا کے خزانے میں جو بارہویں صدی قبل مسیح کی یادگار ہیں، لیکن ان سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرقی مصنوعات کی نقل میں اول اول یونانی بالکل وحشی تھے، اسلئے انکے فنون لطیفہ کے چہرے سے چہرہ دیونیک مشرقی آب و رنگ زائل نہیں ہوا چنانچہ انتیا اور اورخو میا میں اپالو کا جو مجسمہ نصب ہے وہ مشرقی مجسموں سے کامل مشابہت رکھتا ہے، لیکن اسی زمانے سے انھوں نے ترقی کی طرف قدم بڑھایا اور ایک ہی صدی کے بعد پیڈاس اور پارٹینیون کے مجسمے منظر عام پر آ گئے۔

لہ جوہر کی اصطلاح میں رباب غزل و غم شاعری و موسیقی کا سبب بلادیو یا ملبی کا پاد و بند راسی کی طرف منسوب ہے

جو اپنے اخذ یعنی مشرقی آب و رنگ سے بالکل خالی ہیں، اور ادن پر فوقیت رکھتے ہیں،
یہی حال فن عمارت کا بھی تھا، اگرچہ اول تمام دوروں کی تفصیل جن سے اس فن کو
گذرنا پڑا ہو، آسان نہیں ہے، کیونکہ نوین صدی قبل مسیح میں ہومر نے جن محلوں کا ذکر کیا ہے،
ہم کو ان کی حالت معلوم نہیں ہو تا ہم اوس نے ادن کی پتیل کی دیواروں، چمکتے ہوئے
رنگین کنگروں، اور سونے چاندی کے ادن جانوروں کا جو اندر بطور سپرہ دار کے کھڑے کئے گئے
ہیں جو حال لکھا ہے، اوس کو بڑھ کر ہمیں شوریوں کے محل یاد آتے ہیں، جو پتیل کے تختوں اور
طع اینٹوں سے ڈھکے ہوئے رہتے تھے، اور سیلون کے مجسمے ادن کی حفاظت کرتے تھے، اسکے
ساتھ ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ یونان میں سب سے قدیم ستون جو ساتویں صدی قبل مسیح کی یادگار ہے
ادسکی مثال کرناک، اور تہی حسن واقع ملک مصر میں موجود ہے، اور یونانی نامی ستون کے اکثر
اجزاء اشوری ستونوں سے ماخوذ ہیں، ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ تمام مستعار چیزیں پہلے ایک
خاص قوم کی طرف منسوب تھیں پھر ترکیب و تبدیل نے ادن کی صورت اس قدر بدل دی کہ ستونوں
کی ایک ایسی نوعیت قائم ہو گئی جو اپنے اصل کے بالکل مخالف معلوم ہوتی ہے، یونانیوں کے
بعد ایرانیوں کا ظہور ہوا، اگرچہ ادنوں نے بھی یونانیوں کی طرح فنون لطیفہ میں تغیرات پیدا کئے
لیکن انقلاب کا یہ دور درجہ کمال تک نہ پہنچ سکا، اس کی وجہ یہ ہے کہ دفعۃً ایک اجنبی دشمن
ادن پر حملہ کر بیٹھا، اسلئے اومکے تمدن کی رفتار دفعۃً رُک گئی، یونانیوں کو فنون لطیفہ کی ترقی و
ایجاد کے لئے سات صدیاں ملی تھیں لیکن ایرانیوں کو اسکے لئے دو صدی سے زیادہ کا زمانہ نہ ملا
اور اہل عرب کے سوا دنیا کی کسی قوم میں اس قسم کی مثال نہیں مل سکتی کہ اوس نے ایک محدود زمانے
میں فنون لطیفہ میں اس قدر ترقی کر لی کہ اوس کو اپنا خاص فن بنالیا،
ایران کا تاریخی دور اوس زمانے سے شروع ہوتا ہے، جب تورش اور اوس کے جانشینوں

نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو برس پیشتر بابل اور مصر پر قبضہ کر لیا تھا، اور اس وقت یہی دونوں ملک مشرقی تمدن کا ماخذ تھے، لیکن یونان جس کی قسمت میں اسی قسم کی ایک فتح لکھی ہوئی تھی، اب تک گوشہ گمنامی میں پڑا ہوا تھا، اس بنا پر مسیح علیہ السلام سے تین صدی پیشتر ایرانی سلطنت تمدن کا مرکز بن چکی تھی، لیکن اسکندر نے جب ایرانیوں کو تخت سلطنت سے اتار دیا تو تمدن کا مرکز نقل دنیا کے دوسرے گوشوں کی طرف منتقل ہو گیا،

ایرانیوں نے جس وقت مصر اور بابل پر قبضہ کیا تھا، اس وقت اٹکا کوئی خاص فن نہ تھا، اسلئے انھوں نے انہی دونوں ملکوں کے نمونے پر فنون لطیفہ میں ترقی کرنا شروع کی، اور انھیں ملکوں سے صنایع مستعار لے لی، لیکن چونکہ ان کی سلطنت نے دو صدی سے زیادہ کی عمر نہیں پائی اسلئے ان کو فنون لطیفہ میں حقیقی تحفیات پیدا کرنے کیلئے کافی وقت نہیں ملا، البتہ انھوں نے اپنے دور تنزل میں فنون لطیفہ میں بہت بڑا انقلاب پیدا کرنا چاہا، چنانچہ پرسو پوٹس (اصطخر) کے بچے کچھ کھنڈروں سے اسکا اندازہ ہو سکتا ہے، ہم کو ان میں، مصر، آشور اور یونان تینوں کے فنون لطیفہ کی آمیزش معلوم ہوتی ہے، اور ہم کو یہاں کچھ جدید آثار بھی نظر آتے ہیں جن میں اس شہر کا ستون، اور اس کے دوسروں والا تاج خاص طور پر قابل ذکر ہے، ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے، کہ اگر زمانے نے اس تمدن قوم کو موقع دیا ہوتا تو گو وہ یونانیوں کی طرح فنون لطیفہ میں نظم و ترتیب نہیں پیدا کر سکتی، تاہم ایک طرز خاص کی ایجاد میں وہ اس سے کسی طرح پیچھے نہیں رہتی، چنانچہ اسکے دس صدی کے بعد انھوں نے جو صنعتی یادگاریں قائم کیں، وہ زبان حال سے اس کی شہادت دے رہی ہیں، ایران کا سب سے قدیم خاندان انخیدونیوں کا خاندان ہے، جس کو سکندر نے بے تاج و تخت کیا، اسکے بعد سلوقین (سلوٹس یونانی) کا خاندان پیدا ہوا، پھر راشدین کا زمانہ آیا، اور سب سے اخیر میں ساسانیوں کا دور حکومت قائم ہوا جن کو ساتویں صدی

عیسوی میں عربوں نے مغلوب کر لیا، انہی ساسانیوں کے زمانے میں ایرانیوں نے فنِ عمارت کی ایک جدید داغ بیل ڈالی، چنانچہ انھوں نے اس زمانے میں جو عمارتیں تعمیر کیں ان میں ایک خاص جدت طرازی پائی جاتی ہے جس سے یہ میں معلوم ہوتا کہ وہ عرب، انجمیدی، اور ارشدی کے فنونِ لطیفہ سے ماخوذ ہے، بلند دروازے جو عمارت کے لنگروں سے ملے ہوئے نظر آتے ہیں، طبعِ انٹین، ساٹھ زینے کے پل اسی زمانہ کی مخصوص یادگار ہیں اور مغل اپنے مذاق کے موافق کسی قدر تغیر پیدا کر کے اسی فنِ جدید کو ہندوستان میں لائے،

ان تمام مثالوں سے تغیرات کے وہ مدارج معلوم ہوتے ہیں جو ایک قوم دوسری قوم کے فنونِ لطیفہ میں کرتی ہے، اور ان مدارج کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ قوموں کے مذاقِ طبیعت، اور خصوصیاتِ زمانہ کے اختلاف سے ان تغیرات میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر مختلف قوموں میں تغیرات کی حیثیت مختلف نظر آتی ہے، اہل افریقہ چونکہ عقلی حیثیت سے کم مایہ تھے، اسلئے باوجود ایک زمانہ طویل کے یہاں فنونِ لطیفہ نے کوئی ترقی نہیں کی، بلکہ اپنے درجہ سے گر گیا، یونان جیسی تمدنِ قوم نے جب کافی زمانہ پایا تو قدیم فنونِ لطیفہ سے انھوں نے ایک جدید فنونِ لطیفہ کو ایجاد کیا، اور اس کو پہلے سے بھی زیادہ چمکادیا، اس سے کم درجہ کی تمدنِ قوم ایرانیوں کی تھی جس نے ترقی کے لئے بہت کم زمانہ پایا تھا، اہم اس نے غیر قوموں کے فنونِ لطیفہ کو لیکر اس میں اپنی صنایعوں کے کمالات دکھائے اور اس میں کمالات پیدا کیے،

عہدِ قدیم کی ان مثالوں کے علاوہ ہر کو اپنے قریب تر زمانے میں بھی اسکی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن سے اس عظیم الشان انقلاب کا پتہ چلتا ہے جو غیر قوموں کے فنونِ لطیفہ میں ہر قوم کو خواہ مخواہ کرنا پڑتا ہے، ان مثالوں کی شہادت تمام آثارِ قدیمہ کی شہادتوں سے زیادہ موثق ہے، کیونکہ وہ اس قوم سے ماخوذ ہیں جس کی جنسیت اور قومیت میں اگرچہ اختلاف ہے

تاہم وہ صرف ایک مذہب (اسلام) کی پابند ہو جب اہل عرب نے ساتویں صدی عیسوی میں دنیا کے قدیم یعنی روم و یونان پر قبضہ کر لیا، اور وہاں اوس عظیم نشان سلطنت کی بنیاد ڈالی، جو نہایت سرعت کے ساتھ اندلس سے لیکر براعظم ایشیا اور شمالی افریقہ تک پھیل گئی، تو فنون لطیفہ میں سب سے پہلے، اونکی نگاہ فن بنیر نطنی (مشرقی رومی) پر پڑی، جو نمایاں شخصیت ایشیا رکھتا تھا اس لئے اونھوں نے اول اول اندلس، مصر، اور شام کی مساجد میں اسی کی نقل کی، چنانچہ دمشق میں جامع عمری اور قاہرہ میں جامع عمروا کی زندہ مثالیں ہیں لیکن یہ طرز عمارت بہت دنوں تک قائم نہ رہا، بلکہ اختلاف ممالک کی وجہ سے مسلمانوں نے فن تعمیر میں نہایت سرعت کے ساتھ تبدیلیاں شروع کر دیں، اور ہر صدی میں یہ طرز بدلتا رہا چنانچہ ہم نے اپنی کتاب **مقدمین عرب میں ان تغیرات کی تفصیل** کر دی ہے یہ ایک ایسا عام اور کلی تغیر تھا کہ عہد قدیم کے آثار مثلاً جامع عمروا واقع مصر ۶۴۲ء اور دور اخیر کی یادگار جامع قاہدہ باہی واقع مصر ۱۲۶۰ء میں کسی قسم کی مشابہت اور ہم رنگی نہیں پائی جاتی،

ہم نے اس کتاب میں تصاویر کے ذریعہ سے دکھایا ہے کہ تمام ممالک اسلامیہ یعنی اسپین، افریقہ، شام، ایران اور ہندوستان کے آثار قدیمہ میں اس قدر اختلاف پایا جاتا ہے کہ ادن پر ایک نام کا اطلاق نہیں ہو سکتا، یورپ کے گاتھک طرز میں بھی اگرچہ کسی قدر اختلاف موجود ہے، تاہم ان میں بعض حیثیتوں سے مشابہت بھی پائی جاتی ہے، اسلئے ادن کو ایک ہی چیز کہا جاسکتا ہے، لیکن ممالک اسلامیہ کے آثار قدیمہ میں اس قسم کی مشابہت بالکل منقود ہے،

لیکن اس اختلاف کا سبب مذہب نہیں ہو سکتا، کیونکہ تمام دنیا کے اسلام صرف ایک ہی مذہب کی پابند ہے، بلکہ اسکا اصلی سبب قومیت کا اختلاف ہے، اور وہ ایک ایسی موثر چیز ہے جو خود قوموں کی طرح فنون لطیفہ میں بھی اہم تغیرات پیدا کر دیتا ہے،

پس اگر یہ نظریہ صحیح ہے تو ہم کو ایک ایسے ملک میں جس میں مختلف قومیں ہتی ہیں، باوجود اتحاد مذہب اور اتحاد سلطنت کے بالکل مختلف قسم کے آثار و عمارات کی تلاش کرنی چاہیے چنانچہ اگر ہم اس جستجو میں نکلیں گے تو ہندوستان کا گوشہ گوشہ ہمارے سامنے یہ بونگھن منظر پیش کرے گا، ہندوستان میں اس نظریہ کی بکثرت مثالیں مل سکتی ہیں اور اس لیے میں بار بار اس کی طرف رجوع کروں گا،

ہندوستان حقیقت ایک تاریخی کتاب ہے جس کے آگے حکمت و بیان کی تمام کتابیں پیچ ہیں، دنیا میں صرف وہی ایک ایسا ملک ہے جہاں سیاح ایک طرف سے کل کر دوسری طرف کو جاتا ہے، تو گویا ایک زمانے سے کل کر دوسرے زمانے کے حدود میں قدم رکھتا ہے، اور انسانیت نے ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک وحشت اور تمدن کے جو مراحل طے کیے ہیں وہ بیک نظر اوس کی نگاہ کے سامنے آجاتے ہیں، تمام دنیا کے انقلابات کی تصویریں وہاں موجود ہیں بخار اور کمر بائیت کا ترقی یافتہ دور بھی وہاں اپنے مناظر دکھا سکتا ہے، اور اسکے ساتھ عصر حجر کی یادگاریں بھی وہاں موجود ہیں، غرض تمدنی موثرات، اور اسکے مسلسل تغیرات کا مرقع ہندوستان سے بہتر دنیا کے کسی حصہ میں نظر نہیں آسکتا، میں مدت سے اس مسئلہ کو حل کرنا چاہتا تھا کہ ہندوستانی فنون لطیفہ کا ماخذ کیا ہے؟ لیکن ان نظریات کی تطبیق سے یہ عقدہ نہایت آسانی کے ساتھ حل ہو گیا،

ہندوستان میں تاریخی دور کے بہت بعد فنون لطیفہ کا رواج ہوا، چنانچہ ہندوستان کے قدیم ترین آثار کی عمر یورپ کے تاریخی دور کے دو صدیوں سے زیادہ نہیں ہے، مثلاً آئینہ کا

۱۔ ہندوستان میں بدھ مذہب کا بہت مقہور بادشاہ، مدت سلطنت متعلق، م، اس نے متعدد دستور نصیب کرائے تھے، جن پر اخلاقی احکام و قوانین مکتوب تھے،

ستون، کاری، ہوتا، اور سنش کی عبادت گاہیں جن نے مین تعمیر کی گئی ہیں، اور وقت مصر، ایران، اور
 آشور کی قدیم قوموں کا تمدن اپنا دور ختم کر چکا تھا، اور اوس پر تنزل و گمنامی کے پڑے پڑ گئے
 تھے، اس وقت صرف ایک روم کا تمدن اپنے اوج شباب کے ساتھ تمام دنیا پر حکومت کر رہا
 تھا، اگرچہ ہندوستان اون اقوام قدیمہ کو جن کے تمدن و تہذیب کا چراغ بجھ رہا تھا، اپنے تمدن کے
 ایک بڑے حصہ کا ماخذ بنا سکتا تھا، لیکن چونکہ وہ تمام دنیا سے الگ تھلگ ایک گوشہ میں پڑا ہوا
 تھا، اور جو ہندوستانی عمارتوں کی شخصیت کسی قوم کے آثار و عمارت سے میل نہیں کھاتی تھی،
 اس لئے ایک مدت تک علمائے آثار قدیمہ کی یہ رائے تھی کہ ہندوستان نے اون قوموں سے
 کچھ نہیں لیا، اس خصوصیت کے ساتھ اگر ہندوستانی آثار قدیمہ کے نظام و ترتیب اور
 جدت طرازیوں کو پیش نظر رکھا جائے، تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام آثار مسلسل اور دیرینہ تجارت کا
 نتیجہ ہیں، لیکن علمائے آثار قدیمہ اب تک ان تجربات سے ناواقف ہیں، اخیر زمانے میں
 ہندوستان کے ایک دور افتادہ حصے میں کچھ حصے بے شبہ کھلے تھے جن میں یونانی فنون لطیفہ
 کی جھلک پائی جاتی تھی، اور اسی بنا پر ان علمائے آثار نے جو ہندوستان میں آثار قدیمہ کی تحقیقات کو پس
 تھے یہ رائے قائم کی تھی کہ ہندوستان نے فنون لطیفہ کو یونان سے لیا ہی، لیکن ہم نے ان نظریات
 کی بنا پر جن کو ہم اس کتاب میں لکھ چکے ہیں، اور جو اون آثار قدیمہ کے دقیق مطالعہ کے بعد
 جو نتیجہ مستنبط کیا، وہ ان علمائے آثار کی رائے سے بالکل مختلف ہے، ہمارا خیال ہے کہ ہندوستان نے
 فنون لطیفہ کو یونانیوں سے اخذ نہیں کیا، اور باوجود تمدنی احتلاط کے ایسا کر بھی نہیں سکتا تھا،
 کیونکہ یہ دونوں قومیں قومیت، خیالات، اور فنون لطیفہ کی مہارت میں باہم متضاد مختلف تھیں کہ ان
 موانع کے ہوتے ہوئے ایک کا دوسرے سے متاثر ہونا بالکل ناممکن تھا، ہندوستان میں جو آثار
 قدیمہ پھیلے ہوئے ہیں، اگر ان کی تحقیقات کی جائے تو معلوم ہوگا کہ دونوں ملکوں کے فنون لطیفہ میں

کسی قسم کی مناسبت نہیں ہو، یورپ کے تمام آثار قدیمہ یونانی فنون لطیفہ کی جھلک دکھاتے ہیں لیکن ہندوستانی آثار میں ہم کو اذکار کوئی اثر نظر نہیں آتا، سرسری طور پر بھی یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یونانیوں اور ہندوستانیوں سے زیادہ دنیا کی کسی قوم میں متافرد اختلاف نہیں ہو، چنانچہ ہندوستان کے آثار قدیمہ اور ہندوستانی قوم کی نفسی خصوصیات پر جس قدر بحث کی جاتی ہے، اوس قدر یہ حقیقت واضح ہوتی جاتی ہے کہ ”ہندوستانی قوم ایک مخصوص و مستقل روح رکھتی ہے جو کسی خارجی اور اجنبی موثر سے متاثر نہیں ہو سکتی“ البتہ ایک اجنبی موثر جبراً اوس کو اپنے زیر اثر لاسکتا ہے، لیکن جس قدر زمانہ گزرتا جائیگا، یہ اثر زائل ہو کر محض سطحی اور عرضی رہ جائے گا، بالکل سچ تو یہ ہے کہ ہندوستان اور دنیا کے دوسرے ممالک کے درمیان جس قدر بعد و مسافت ہے، اوسی قدر ہندوستان کی مختلف قومیں، دنیا کی دوسری قوموں سے الگ ہیں، ہندوستان کی قومی روح بالکل ایک مستقل چیز ہے، اور اگر وہ کسی چیز کی تقلید بھی کرتی ہے تو اُس کو خود ہندوستانی قالب میں ڈھال لیتی ہے، یہی عجیب و غریب روح جو ہر چیز کی حقیقت کو بدل دیتی ہے، علانیہ فن عمارت میں بھی نظر آتی ہے، ہندوستان کے ایک سنگ تراش کو یونانی وضع کے بت بنوانے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، لیکن وہ چند ہی دنوں میں اوس میں اتقدر تغیر پیدا کر دیگا کہ وہ ہندوستانی بت بن جائیگا، اگرچہ ہندوستان اس وقت یورپ کے زیر اثر ہے، تاہم وہاں اس قسم کے تغیرات روز بروز بڑھتے جاتے ہیں، اگر تم ایک ہندوستانی کاریگر کو کسی یورپین چیز کا نمونہ دیدو کہ وہ خود اسی وضع کی دوسری چیز تیار کر دے تو گو وہ عام طور پر نمونہ کی ظاہری شکل و صورت کا بجا ناکرے گا، لیکن وہ اوس کے نقش و نگار اور بعض اجزاء میں اس قدر تغیر و تبدل کر دیگا، کہ دوسری یا تیسری باری میں اوس سے یورپین آب و رنگ بالکل اوتر جائیگا، اور وہ خالص ہندوستانی چیز بن جائیگی،

ہندوستانی فن تعمیر کا سب سے بڑا ماہر الا میاز وصف یہ ہے کہ اوس میں جزئیات کی نہایت کثرت ہوتی ہے اور اوسکی ترکیب میں پیچیدگی پائی جاتی ہے، اسکے بجائے یونانی فن عمارت اپنی سادگی میں ممتاز نظر آتا ہے، یہی خصوصیت ہندوستانی فن ادب میں بھی موجود ہے اور اسی وجہ سے ان دونوں فنون (فن تعمیرات و فن ادب) میں تقریباً اتحاد پیدا ہو گیا ہے ہندوستانی فنون لطیفہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں کے مزاج عقلی اور انیسٹیتھک کی ان صنایعوں میں سخت مناسبت اور تعلق ہے، اور وہ زبان حال سے اسکی شہادت دے رہی ہیں چنانچہ اگر اشوری قوم کی طرح ہندوستانی قوم بھی مٹ جائے تو اوسکی عبادت گاہوں کے نقش و نگار اوس کے مصنوعی بت، اور اوسکی قدیم عمارتیں، اوس کی گذشتہ تاریخ پر شہادت دیں گی، اور اوس سے ہرگز خاص طور پر یہ معلوم ہوگا کہ ہندوستانی قوم میں چونکہ ترتیب و نظام کا ملکہ نہ تھا، اور اوس میں خلیا قوت شدت کے ساتھ موجود تھی، اسلئے وہ یونانیوں کے فن تعمیر سے بالکل متاثر نہیں ہوئی، یعنی ان عمارتوں میں وہ حسن ترتیب، اور صفائی نہ پیدا کر سکی جس نے یونانیوں کو تمام دنیا سے ممتاز کر دیا تھا، اور اس طرح ہم کو اس سبب کا علم ہو جائیگا جس کی بنا پر یونانیوں کا اثر بالکل عارضی طور پر ہوا، اور جس قدر اؤل اؤل ہوا تھا اُس سے آگے نہ بڑھا، ان آثار پر غور و فکر کرنے سے اوس خیال کی صداقت کو یہ دلائل ثابت کیا جاسکتا ہے، جو اوس لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے، جو ہندوستانی قوم کی عقلی خصوصیات سے اجمالی واقفیت رکھتے ہیں، کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سلاطین ہند اور شاہان ایران (ارجندی) میں باہم تعلقات قائم تھے، اور ایرانی تمدن یونانی اثر سے خاص طور پر متاثر تھا، ہندوستان کے بادشاہوں نے متعدد بار بالخصوص سن عیسوی کی دو ابتدائی صدیوں میں یونانی فنون لطیفہ کو ہندوستان میں منتقل کرنا چاہا، لیکن وہ اوس کو قائم نہ رکھ سکے، بلکہ جن بادشاہوں نے اس قسم کی کوشش کی تھی اوسکی حکومت کے زوال

ساتھ وہ بھی مٹ گیا، اس کی وجہ صرف یہی ہو کہ یونانی فنون لطیفہ، اور ہندوستانی قوم کے مزاج عقلی میں اس قدر متاثر اور اخلاقیات تھی کہ وہ ان کو صرف سلطنت کی جبری قوت سے قبول کر سکتی تھی، بلکہ متاثر کا اثر اس درجہ نمایاں تھا کہ خود ان بادشاہوں کے زمانے میں بھی ہندوستان کا ملکی فنون لطیفہ یونانی فنون لطیفہ سے بالکل متاثر نہیں ہوا، کیونکہ خود اس زمانے میں، بلکہ اسکے بعد بھی ہندوستانیوں نے جو عمارتیں تعمیر کیں ہم کو ان میں یونانی فن تعمیر کا اثر نظر نہیں آتا حالانکہ وہ اثر اس آسانی کے ساتھ نمایاں ہو سکتا ہو، کہ ایک کامل ہندو وضع کی عمارت میں صرف بعض جزئیات بالخصوص فرش سے یہ معلوم ہو سکتا ہو کہ اس کو یونانی کاریگر نے تعمیر کیا ہو، یونانی فنون لطیفہ، اور ہندوستانی قوم کے جذبات کے اختلاف و تبائن کا یہ نتیجہ ہوا کہ جس طرح یونانی فنون لطیفہ دفعۃً ہندوستان میں آیا تھا اسی طرح دفعۃً فنا بھی ہو گیا، اس سے صاف ثابت ہوتا ہو کہ وہ ملک میں بزور حکومت آیا تھا، کیونکہ کسی قوم کا فنون لطیفہ اس طرح جلد فنا نہیں ہوتا، بلکہ اس میں تغیرات ہوتے ہیں تبدیلیاں ہوتی ہیں، اور جدید فنون لطیفہ کا اثر قدیم فنون لطیفہ میں صاف نظر آتا ہے، لیکن یونانی فنون لطیفہ دفعۃً ہندوستان میں آیا، اور دفعۃً فنا ہو گیا، اور جس طرح آج ہندوستانی طرز تعمیر پر ادوں عمارتوں کا کوئی اثر نمایاں نہیں ہوتا جس کو انگریز دوسو برس سے ہندوستان میں تعمیر کر رہے ہیں، اسی طرح ہندوستان میں یونانی فنون لطیفہ بھی بے اثر رہا،

یورپ اگرچہ ہندوستان پر ایک صدی سے حکومت کر رہا ہو، لیکن جس طرح آج سے ۸۰۰ سو برس پیشتر یونانی فنون لطیفہ بے اثر تھا اسی طرح یورپ میں فنون لطیفہ کا بھی ہندوستان کا کوئی اثر نہیں پڑا، صاف نظر آتا ہو کہ فنون لطیفہ کی ترتیب نظام کے متعلق دونوں قوموں کے خیالات سخت مختلف ہیں، اور اسی بنا پر اگرچہ ہندوستانیوں کے نزدیک اہل عرب بھی یورپ میں

قوموں کی طرح بیگانہ تھے، لیکن کل ہندوستان نے عرب کے فنون لطیفہ کی تقلید کی، چنانچہ ملک کے جن حصوں پر اہل عرب کا اثر نہیں پڑا، وہاں کی عبادت گاہیں عربی نقش و نگار سے خالی نظر آتی ہیں، یہ سچ ہے کہ جس طرح زمانہ قدیم میں شاہ کنیشکا نے اپنے دور حکومت میں یونانی فن تعمیر کو منتقل کیا تھا، اسی طرح آج بھی چند راجہ مثلاً ہمارا راجہ گوالیار نے یورپین طاقت بے بہوت ہو کر قدیم لٹین، اور یونانی طرز پر یورپین وضع کے محل تعمیر کئے ہیں، لیکن کنیشکا کے زمانے کی طرح خود ملکی فن عمارت، اس سرکاری فن عمارت سے بالکل متاثر نہیں ہوا، اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ یونانی اور ہندوستانی فن تعمیر نے گزشتہ زمانے میں بعینہ اس طرح دوش بدوش زندگی بسر کی جس طرح آج وہ یورپین فن عمارت کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے، تاہم اول یہ کسی نے اپنے غمنشین کا اثر قبول نہیں کیا، اور اس بنا پر یونانی اور ہندوستانی آثار قدیمہ میں کلاً و جزاً دور کی مناسبت بھی نہیں معلوم ہوتی، یہ ایک ایسی چیز ہے جو ہندوستان کے آثار قدیمہ کے مطالعہ سے صاف نمایاں ہو سکتی ہے، لیکن اس کا یہ سبب نہیں ہے کہ ہندوستانیوں میں فطرۃً دوسری قوموں کے فنون لطیفہ کی نقل و تقلید کا مادہ نہیں ہے، کیونکہ جن قوموں کے فنون لطیفہ ان کے مذاق کے موافق تھے، اوس کی نقل اونھوں نے کر لی ہے بلکہ اسکی اصل وجہ بسیار ہم بیان کر آئے ہیں یہ ہے کہ دونوں کی روح میں سخت تنازع و اختلاف ہے،

عمار تون کے مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی قوموں نے ابتدائیں ایرانیوں سے فنون لطیفہ کو لیا، لیکن یہ سلاطین ارجیدین کے زمانے کے ایرانی تھے بلکہ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اشوری اور مصری قوموں سے تمدنی سبق سیکھا تھا، یہ مسلم ہے کہ ۳۳۳ قبل مسیح میں جب اسکندر نے سلاطین ارجیدین کے نظام سلطنت کو درہم برہم کر دیا، اوس کے دو برس پہلے سے ایران ایک لے انکی حکومت کا بل و کشمیر سے لے کر دہلی و ایشاد و دار السلطنت تھا، مال تخت نشینی یہ اختلاف روایات مشہور یا مشنہ

شاہد ارشدن کا مالک تھا، یہ سچ ہے کہ اوس وقت اونھوں نے فنون لطیفہ میں کوئی خاص جدت نہیں پیدا کی تھی، تاہم مصری اور اشوری فنون لطیفہ کی آمیزش نے اون کی صنایعوں کو ایک نئے قالب میں نمایاں کیا تھا، چنانچہ پروسپرس (اصطخر) کے کچے کھجے آثار سے اسکا اندازہ ہو سکتا ہے جن میں مصر کے عظیم الشان دروازے اور اشور کے پروار میل نظر آتے ہیں، اور کمین کمین یونانی فنون لطیفہ کی جھلک بھی نظر آتی ہے، ان تمام واقعات کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کی تمام عظیم الشان قوموں کے فنون لطیفہ ایشیا کو چک میں سمٹ کر آگئے تھے،

بہر حال ہندوستانیوں نے اگرچہ براہ راست ایرانیوں سے فنون لطیفہ کو حاصل کیا، لیکن درحقیقت یہ وہی کلدان اور مصر کے فنون لطیفہ تھے، کیونکہ خود ایرانیوں نے انہی قوموں سے فنون لطیفہ کی تعلیم پائی تھی، اور ان میں کسی قسم کا تیسر نہیں پیدا کیا تھا، ہندوستانی آثار قدیمہ کی تحقیقات سے اوس ماخذ کا پتہ چلتا ہے، جس سے ابتدا میں اونھوں نے فائدہ اٹھایا تھا، اس لحاظ سے جو لوگ اس حقیقت کا سراغ لگانا چاہتے ہیں، انکو اپنا مطمح نظر صرف ہندوستانی قدیم ترین آثار کو بنانا چاہیے، کیونکہ ہندوستانی روح کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس جدید روش کو اختیار کرتی ہے، اوس میں چند ہی دنوں کے بعد اس قدر تغیرات پیدا کر دیتی ہے، کہ نقل و اصل میں کلیئہ اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، ہندوستانیوں نے یونانیوں کو چھوڑ کر صرف اس بنا پر ایرانیوں سے فنون لطیفہ کی تعلیم حاصل کی کہ ایرانی فنون لطیفہ کو ہندوستانی مزاج عقلی سے جوڑنا سہی وہ یونانی فنون لطیفہ کو نہ تھی، کیونکہ یونانی عمارتیں بالکل سادہ اور نقش و نگار سے خالی ہوتی ہیں، اس لئے ہندوستانی قوموں کو ان سے کوئی دلاویزی نہیں پیدا ہوتی تھی اس کے بخلاف ایرانی آثار میں نقش و نگار، زیب و زینت، اور سامان آرائش کی استعداد کثرت ہوتی ہے، جو ہندوستانیوں کے دنوں کو فریقہ کر لیتی ہے، اور ایک ایسی فطری مناسبت تھی کہ ایرانی

فنون لطیفہ نے صرف زمانہ قدیم ہی میں جبکہ ایران مصر اور آشور کے تمدن کا مالک تھا ہندوستان پر اثر نہیں ڈالا، بلکہ اسکے کئی صدیوں کے بعد جب مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا تب یہ اثر نمایاں ہوا جس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان میں آنے سے پہلے ایرانی ممالک میں مسلمانوں کا گزر ہو چکا تھا، اور ان کا تمدن قدیم قوموں کے تمدن سے بہت کچھ سرمایہ حاصل کر چکا تھا اس لئے مسلمان ایرانی فنون لطیفہ کو خاص طور پر ہندوستان میں لائے، لیکن ادن میں آشوری قوم کے آثار قدیمہ کی جھلک بھی نظر آتی ہے، عظیم الشان مسجدوں کے دروازے اور طبع ایٹھیں صرف آشوری اور کلدانی قوموں کی یادگار ہیں چونکہ یہ تمام فنون لطیفہ ہندوستانیوں کے جذبات کے موافق تھے، اسلئے انھوں نے اس کی نقل کی، لیکن قدیم یونانی، اور موجودہ یورپین فنون لطیفہ چونکہ ہندوستانیوں کے مذاق کے بالکل مخالف ہے، اس لئے ہندوستان پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑا،

اس تفصیل سے ثابت ہو گیا کہ ہندوستانی اور یونانی فنون لطیفہ میں جیسا کہ علمائے فن عمارت کا خیال ہو، کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ایرانیوں کے ذریعہ سے انھوں نے مصر اور آشور سے راہ ورسم پیدا کی ہے، اس لحاظ سے اگرچہ ہندوستان نے براہ راست یونان سے کچھ نہیں لیا، لیکن حقیقت ادن دونوں کا اخذ تمدن کا وہ عام سرچشمہ اور تہذیب کا وہ عام خزانہ ہے جسکو ایک مدت میں مصر اور آشور نے جمع کیا تھا، ہندوستان اور یونان دونوں کا اس مال صرف وہی ہے، البتہ اتنا فرق ہے کہ یونانیوں نے فنیقی (فینیشین) قوم اور ایشیائے کوچک کے رہنے والوں کے ذریعہ سے اس سے فائدہ اٹھایا، اور ہندوستانیوں نے ایرانیوں کے توسط سے اس سے فائدہ کو اپنے بیان منتقل کیا، اس بنا پر اصل میں یونانی اور ہندوستانی تمدن کا سبب ایک ہے، البتہ چونکہ ان دونوں قوموں کی روح میں اختلاف تھا، اس لئے تمدن کی ان دونوں شاخوں میں بھی

الگ الگ خصوصیتیں قائم ہو گئیں،

چونکہ فنون لطیفہ کو ہر قوم کے مزاج عقلی کے ساتھ خاص تعلق ہے، اور اسی بنا پر قوموں کے اختلاف سے اوس میں بھی اختلاف پیدا ہوتا رہتا ہے، اس لیے باوجود مذہبی اتحاد کے قومیت کے اختلاف سے ہندوستانی فنون لطیفہ میں جن اختلافات کا پیدا ہونا لازمی تھا وہ پیدا ہوئے چکے ہیں۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں جو آثار موجود ہیں وہ اسکی شہادت دیتے ہیں، انکے طرز تعمیر میں باہم اس قدر اختلاف ہے کہ مذہبی عقائد کو چھوڑ کر، اسکی ترتیب و تقسیم میں ملکی یعنی قومی حیثیت کا بھی لحاظ رکھنا پڑے گا، شمالی ہند اور جنوبی ہند کی عمارتیں اگرچہ ایک ہی زمانے میں تعمیر کی گئیں اور ان تعمیر کرنے والوں کا مذہب بھی ایک تھا تاہم اُن میں باہم کسی قسم کی مشابہت نہیں پائی جاتی، مسلمانوں کے زمانے میں بھی جبکہ تمام ہندوستان ایک طاقتور سلطنت کے زیر اثر تھا، یہ اختلاف قائم رہا، اور ملکی اختلافات کے لحاظ سے خود اسلامی آثار میں بھی اسکی جھلک نظر آتی ہے، چنانچہ احمد آباد، آگرہ اور بیجا پور کی مسجدیں اگرچہ صرف ایک خدا کی پرستش کے لئے تعمیر کی گئیں، لیکن ان میں بہت کم مشابہت پائی جاتی ہے اور یورپ کے دور ترقی کے آثار اور گاتھک آثار میں جو معمولی درجہ کی مشابہت ہے، وہ ان مساجد میں اس سے بھی کم پائی جاتی ہے،

یہ اختلاف صرف عمارتوں تک محدود نہیں بلکہ وہ مجسموں کی ہیئت اور صنعت و نون سے نمایاں ہوتا ہے، چنانچہ رانٹش کے ادھر سے ہوئے نقش و نگار اور برہات کے مجسموں کے موازنہ سے اسکی تصدیق ہوتی ہے، حالانکہ یہ سب ایک ہی زمانے میں بنائے گئے ہیں، اور بوندلیکھنڈ، میسور اور جنوبی ہند کے آثار میں یہ اختلاف اور بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے، یہاں تک کہ معمولی درجہ کی مصنوعی چیز بھی اسکے اثر سے خالی نہیں نظر آتی، میسور اور گجرات کے بنے ہوئے لکڑی کے کام

اور اڈر لیسہ اور ساحل بمبئی کے بنے ہوئے زیورین ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی امتیاز کر سکتا ہے
 اس میں شبہ نہیں کہ دیگر مشرقی عملتوں کی طرح ہندوستان میں بھی سب سے پہلے مذہبی عملتیں
 وجود میں آئیں، لیکن مشرق میں جس قدر مذہب کا اثر ہے، اس سے زیادہ خود قوم کا ہے،
 یہ روح جو ہر قوم کو اس کی منزل مقصود تک پہنچاتی ہے، وہ جس طرح نظام سیاست اور
 فنون لطیفہ پر اپنا اثر ڈالتی ہے، اسی طرح مذہب کو بھی ایک خاص روش کی طرف لی جاتی ہے، وہ
 تمام تمدنی عناصر کی بحث میں ہمارے آگے آگے ہوتی ہے، اور وہ ایک ایسی طاقت ہے جس سے بالاتر
 کوئی طاقت نہیں، اس میں اون ہزاروں پشتوں کی قوت موجود ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے،
 اور وہ انکی نسلوں کے افکار و خیالات کا خلاصہ ہے

تیسرا باب

قوموں کی تاریخ پر اس حیثیت سے نظر کہ اسکا ماخذ قوموں کا اخلاق ہے

پہلی فصل

نظامات سیاسہ کیونکر ہر قوم کی روح سے پیدا ہوتے ہیں؟

ہر قوم کی تاریخ عموماً وہ اُٹھاؤں کے مزاج عقلی سے ماخذ ہوتی ہے، اسکی مختلف مثالیں یہ بحث کے زرائع

کی سیاست کا منبع وہاں کی قومی روح ہے، یہ بحث کہ ان نظامات میں اگرچہ بظاہر تغیر محسوس ہوتا ہے لیکن انکی حقیقت نہایت راسخ و پائدار ہوتی ہے، یہ بحث کہ ہمارے تمام سیاسی فرقوں کا مقصد ایک ہے، ان فرقوں کے رنگ اور اونکے نام، یہ بحث کہ تمام سیاسی فرقوں کا مذہب یہ ہے کہ نفوذ و قوت کو محدود، اور ہر شخص کی حرکت کو حکومت کے مصالح پر قربان کر دیا جائے، یہ بحث کہ شورش زرائع شخصی حکومت کے قائم ہونے سے پیدا ہوتی، یہ بحث کہ ہر قوم کے سیاسی نظام کا ماخذ ہمیشہ اسکا قومی نظام اخلاق ہوتا ہے،

تاریخ اپنی حیثیت عمومی میں اون نتائج کی شرح ہے، جن کو قوموں کی روح نے پیدا کیا ہے، اس لیے جس طرح پھل کے آلات تنفس کی نشوونما پانی میں ہوتی ہے، اسی طرح تاریخ کا سرچشمہ بھی قوموں کی یہی روح ہے، جو شخص کسی قوم کے مزاج عقلی سے ناواقف ہے، اس کے نزدیک اسکی تاریخ اون غیر مرتب واقعات کا مجموعہ ہوگی جن کو محبت و اتفاق نے پیدا کیا ہے، لیکن جو شخص اس روح کی حقیقت سے واقف ہے، اسکو نظر آتا ہے کہ قومی زندگی ہر قوم کے نفسی اخلاق کا ایک قدرتی اور لازمی نتیجہ ہے، اگر تم کو مختلف قوموں کے مظاہر زندگی مختلف نظر آئیں، تو تمکو یقین کر لینا چاہیے کہ ان اختلافات کے تار و پود قومی روح سے وابستہ ہیں،

قومی روح کا روشن ترین مظہر نظام سیاست ہی، اور بعض مثالوں کے ذریعہ سے نہایت آسانی کے ساتھ یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے،

فرانس اور ان ملکوں میں جو جن میں ایک عام انقلاب پیدا ہو چکا ہے، بظاہر چند سالوں میں اس کا نظام سیاست بالکل بدل گیا ہے، اور سیاسی فرقوں میں سخت معاشرت پیدا ہو گئی ہے، لیکن اگر ہم ان خیالات کا جو بظاہر تناقض معلوم ہوتے ہیں، غور سے مطالعہ کریں اور ان سیاسی فرقوں کے متعلق جنہیں عیشہ جنگ قائم رہتی ہے، وقت نظری سے کام لیں، تو معلوم ہو گا کہ ان سب کی حقیقت ایک ہے اور اسکے اندر سے فرانس کی قومی روح علانیہ جھلک رہی ہے، انتہا پسند شخصیت پرست، سوشلسٹ غرض تمام فرقے مختلف رنگ کی جھنڈیوں کے نیچے، ایک ہی منزل مقصود کی طرف جارہے ہیں اور سب کا نصب العین صرف یہ ہے کہ افراد کو حکومت کے اندر نافذ ہونا چاہیئے، ہر فرقہ یہ چاہتا ہے کہ قوت و نفوذ سلطنت کے دامن میں اس طرح سمٹ کے آجائیں، کہ ہر چیز کی باگ اس کے ہاتھ میں آجائے، سلطنت ہی ہر چیز کی ترتیب دے، اسی کی طرف تمام چیزیں سمٹ آئیں معمولی سے معمولی جزئیات کے متعلق بھی وہ افراد کی زندگی کو قانونی شکنجہ میں جکڑے، اور ان کو تھوڑا بہت نیا کے جھگڑے کھڑے سے نجات دلائے، بادشاہ، شاہزادہ (امیر اطوار) پریسیڈنٹ، غرض عمان حکومت کسی کے ہاتھ میں بھی ہو، لیکن مقصد سب کا ایک ہے، اور یہی مقصد فرانس کی قومی روح کی ترجیحانی کر سکتا ہو، اور فریج قوم اس کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف نہیں جاسکتی،

پس ایک طرف تو جیسے نظام عصبی کا قیام، اور ہمارا آسانی کے ساتھ بدلنے والا مذاق ہم سے کہتا ہے، کہ کاش اس حکومت کے بجائے جو ہر وقت اپنا نظام سیاسی بدلتی رہتی ہے۔

۱۔ ایک روشن خیال شخص موسیو دیون (وائٹ) فرانسے میں کفریج قوم کی روح کا مابہ الامتیاز وصف یہ ہے کہ جب تک سلطنت ترغیب و تحریص نہ لگائے، وہ کسی تمدنی کام میں کامیابی نہیں حاصل کر سکتی،

کوئی دوسری حکومت ہوتی تو ہماری حالت بہتر ہو جاتی، دوسری طرف سے مردوں کی آوازیں آتی ہیں کہ ہم صرف الفاظ اور ظاہری قالب میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں، لیکن قوم کی غیر شعائرانہ روح کا اثر ہم پر اس شدت کے ساتھ پڑ گیا ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ہمارا موجودہ خیال بالکل غلط ہے،

شورشِ فرانس کے بعد جو نظام حکومت قائم ہوا، اس کو اگرچہ چارے قدیم نظام سے بظاہر کوئی مشابہت نہیں ہے، لیکن درحقیقت اس نے غیر محسوس طور پر شخصی حکومت کا قابض اختیار کیا، اسلئے اس نے قدیم نفوذ و قوت کو اور بھی محدود کر دیا، اگر لوئس سیزوہم اور لوئس چہارم اپنی قبر سے اٹھ کر اس انقلاب کے نتائج کو دیکھتے، تو اپنے شخصی اغراض کے لیے انھوں نے جو بیرحمیاں کی تھیں ان پر اگرچہ فطرۃً ملامت کرتے، لیکن با اینہم ان کو نظر آتا کہ یہ جو کچھ ہوا ٹھیک ان کی قدیم روش کے مطابق ہے، وہ اعتراض کرتے کہ اگر انھوں نے کسی وزیر کو اس طرز حکومت کی وصیت کی ہوتی، تو اس کو بہت زیادہ کامیابی نہ ہوتی، وہ کہتے کہ شورش سے پہلے فرانس میں جو حکومتیں قائم ہوئیں، اول میں سب سے زیادہ قدیم خود وہ نظام حکومت ہے، جو شورش کے بعد قائم ہوا، اول کو اس امر کا یقین ہو جاتا کہ اگرچہ تقریباً ایک صدی سے مختلف طرز کی مختلف حکومتیں قائم ہوتی رہیں، لیکن ان میں کوئی بھی قدیم نظام کو تبدیل نہ سکی، کیونکہ جو انقلاب قانونِ طبعی کے مطابق ہوتا ہے، اس کا قدرتی نتیجہ یہی ہے، اور سلاطین کی شخصی تعلیم جس نے قوم کی روح کو غلام بنا لیا ہے۔ ہمیشہ اسی طرح قائم رہے گی، تاہم ان کو یہ فرق ضرور نظر آتا کہ جب سے حکام و شرفاء کے طبقہ کو ملازمت ہمیشہ لوگوں کے گرد سے بدل دیا گیا ہے، ایک ایسا جمہوری نظام قائم ہو گیا ہے، جو قدیم نظام سے زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ اس میں کوئی سیاسی انقلاب نہیں پیدا ہو سکتا، اس سے پہلے دوسرے نظام قائم ہو چکے ہیں، وہ قوم کا قدرتی کفیل ہے، اسکے نتائج کی ذمہ داری کسی خاص شخص پر عائد نہیں

ہوتی، اور اسکی مستمر زندگی سے روز بروز اسکا بول بالا ہوتا جاتا ہے، اور یہی وہ خصوصیات ہیں جو ایک شخصی حکومت کا خاصہ لازمی خیال کی جاتی ہیں، لیکن با اینہم وہ اس پر بہت زیادہ ملا نہیں کریں گے، کیونکہ اس کو معلوم ہو کہ لیٹن تو میں آزادی سے زیادہ مساوات پر جان تی ہیں اسلیئے وہ تمام استبدادی طریقوں کو اس شرط پر قبول کر سکتی ہیں، کہ اسکا سرشتہ ایک فرد کے ہاتھ میں نہ ہو، یا دو اشخاص کی کثرت، اور قواعد کی بہتات نے افراد کو جس طرح جکڑ کر استبداد کی قوت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہو وہ اس سے مخفی نہیں رہ سکتا، ان نتائج پر نگاہ ڈالنے سے اس کو بھی معلوم ہو جائیگا، کہ جیسا اس دور حکومت کا نظام مکمل ہو جائیگا، تو وہ ہر چیز کو اپنے دامن میں سمیٹ لیگا، اور پھر تمدنی فوائد کے لیے کسی قسم کے قانون کی ضرورت نہ ہوگی، افراد کی ہر شخصی حرکت فنا ہو جائیگی، اور بغیر کسی دوسری شورش کے سوشیالزم تمام ملک میں لنگر انداز ہو جائیگا، لیکن اس کے ساتھ اس کو نشانہ دماغ کی روشنی میں بھی نظر آئیگا کہ سوشیالزم حقیقت، شخصی نظام حکومت کا ایک اعلیٰ ترین مظہر ہے، اور شورشِ فرانس نے اس بلند منارہ تک ملک کو نہایت سرعت کے ساتھ پہنچا دیا، جو اس مثال کے مقابل میں انگریزی قوم پر جس کا مزاج عقلی فریخ قوم سے بالکل مختلف ہو اور اسی وجہ سے دونوں کے نظام حکومت میں کسی قسم کا ارتباط و اتصال نہیں پایا جاتا، انگریزی حکومت کے تحت پر بادشاہ یا ریپریڈنٹ کوئی بھی شکمن ہو، جیسا کہ برطانیہ اور ولایات متحدہ امریکہ میں یہ دونوں مختلف حالتیں نظر آتی ہیں، لیکن انگریزی قوم کے طرز حکومت میں کسی قسم کا اختلاف نہیں پیدا ہوتا، ان دونوں حالتوں میں سلطنت کا اثر سمٹ کر محدود، اور افراد کا اثر پھیل کر غیر محدود ہو جاتا ہے، اس نظام حکومت میں بندرگاہ، محکمہ انہار، ریلوے، اسکول، کالج، غرض فادہ عام کے تمام کام شاخ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، خود حکومت اسکا انتظام نہیں کرتی، اور یہ روش لیٹن قوموں کی روش کے بالکل مخالف ہو، اس وقت افراد کی ذاتی حرکت کی نشوونما کا سب سے زیادہ روشن مظہر امریکہ ہے،

کیونکہ انگلستان میں ۲۵ سال سے سلطنت آہستہ آہستہ اسکو روک رہی ہے، اسلئے اس میں بہت کچھ ضعف آگیا ہے،

جن اخلاق کا اثر قوم کے نظام حکومت پر پڑتا ہے، اور ان کو شورش جمہوری نظام سلطنت استبداد پسند حکومت، غرض کوئی چیز نہ پیدا کر سکتی، نہ ان کے ذریعہ سے وہ فائدہ ہو سکتے، یہ بار بار کہا جا چکا ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک خاص طرز حکومت موزون ہوتا ہے، اس کے سوا عقل کسی دوسرے نظام حکومت کو جائز نہیں رکھتی، ہم غریب بیان کریں گے کہ کسی قوم کو اس کے مزاج عقلی کے نتائج سے مغربین ہو سکتا، ہو واجب ریگ کے ذرون کو اور اتنی ہی تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے قانون جذب و کشش کی خلات ورزی کی ہے، حالانکہ حقیقت ایسا نہیں ہو سکتا، اسلئے دو ایک دن سے زیادہ کوئی قوم اپنے مزاج عقلی کی مخالفت نہیں کر سکتی، یہ ایک لغو خیال ہے کہ تو مون کا انجام کار حکومت اور نظام حکومت کے ہاتھ میں ہے، اس کے عواقب و نتائج کامرکز اس کے باہر نہیں بلکہ اس کے اندر ہے، اگر حکومت کسی قوم کو اس کے جذبات و خیالات کے مخالف تکلیف مالا یطاق دینا چاہتی ہے، تو وہ اس کا جو اپنے کندھے سے اتار کر پھینک دیتی ہے، ہر حکومت کا وجود قوم کے جذبات و خیالات کا آئینہ ہوتا ہے، اور اسلئے کسی نظام حکومت کو کلیتہً اچھا یا بُرا نہیں کہا جاسکتا، شاہ و اٹھوئی جس قوم پر حکومت کرتا تھا اس کے لحاظ سے اس کا طرز جہان بینی نہایت موزون تھا، لیکن آج یورپ کا اعلیٰ سے اعلیٰ نظام حکومت بھی دس ملک کے لئے موزون نہیں ہو سکتا، یہ ایک صداقت آمیز حقیقت ہے، لیکن بد قسمتی سے آج مدران سیاست اس سے بالکل ناواقف ہیں، اور اسلئے ان کا خیال ہے کہ حکومت ایک تجارتی مال ہے جسکو ایک قوم سے دوسری قوم کی طرف منتقل کیا جاسکتا ہے، اور جو نظام حکومت دار السلطنت کا ہے، اسی اصول پر نوآبادیوں میں بھی حکومت لے کر ترقی کی ایک قدیم سلطنت کا نام جواب فرانس کے قبضہ میں ہے،

کی جاسکتی ہے، لیکن یہ خیال اسی قدر غلط ہے جس قدر ایک شخص مچھلی کو اس غلط دلیل کی بنا پر ہوا میں زندہ رکھنا چاہتا ہے کہ ”دنیا کے تمام جانور ہوا میں سانس لیتے ہیں“

قوموں کے مزاج عقلی کا یہ اختلاف انکو مدت تک ایک نظام حکومت کے زیر اثر نہیں رہنے دیتا، یہی وجہ ہے کہ انگریز، آئرش، سلاونی، ہنگرین، عرب، اور فریج قوموں نے سخت دشواریوں اور متصل شورشوں کے بعد ایک قانون کے آگے سر جھکایا اور اسی بنا پر جو سلطنتیں مختلف قوموں پر

حکومت کرتی ہیں، وہ نہایت سرعت کے ساتھ فنا ہو جاتی ہیں، ہندوستان میں مغلوں اور انگریزوں نے بے شبہ ایک طویل زمانے تک اس اصول کے خلاف حکومت کی ہے، لیکن اولاً تو اسکا سبب یہ ہے کہ خود یہاں کی مختلف قوموں میں اس شدت کے ساتھ منازعت و مخالفت رہتی ہے

کہ اجنبیوں کے خلاف ان میں قومی اتحاد نہیں پیدا ہو سکتا، دوسری وجہ یہ ہے کہ خود ان اجنبی سلطنتوں نے اپنی سیاسی روشن ضمیر سے ان قوموں کے اخلاق و عادات کا ادب و احترام کیا ہے، اور انکو اپنے مذہب و قانون کے ماتحت زندگی بسر کرنے کی آزادی دی ہے،

قوموں کے مزاج عقلی اور اسکے نتائج کے متعلق معلومات کا اسقدر کافی ذخیرہ ہے کہ

اگر انکا استقصا کیا جائے تو متعدد جلدوں کی ضرورت ہوگی، اور آج تک تاریخ نگاری کی جو

روش چلی آتی ہے وہ دفعہ بدل جائیگی، میرے نزدیک ان معلومات کو سیاست اور تربیت کا

اصول زرین قرار دینا چاہیئے جن کی وجہ سے متعدد غلطیوں سے نجات ملے گی اور بہت سے

انقلابات کا خاتمہ ہو جائیگا،

دوسری فصل

نظریات سابقہ کا انطباق، انقلاب اور لایا متحدہ امریکہ

اور

امریکہ کی اسپینی جہولیت پر

انگریزی قوم کے اخلاق، امریکن روح کیونکر پیدا ہوئی؟ حالات معاش کی وجہ سے جو انقلاب پیدا ہوا ہے اس کی مشکلات، پست درجہ کی قوموں کے فاکر نے کا قطعی فیصلہ، حبشی اور چینی، باوجودیکہ دونوں کا نظام ایک ہے، لیکن اس کا کیا سبب ہے کہ ولایات متحدہ ترقی پذیر اور جمہوریت اسپینہ رو بہ تنزل ہے؟ اسپینی جمہوریت امریکہ میں جو خود بخاری پھیل گئی وہ قوم کے انحطاط کا لازمی نتیجہ تھا،

اوپر کے اجمالی اشارات سے ثابت ہو گیا ہو گا کہ ہر قوم کے نظام حکومت کا مبداء اس کی قومی روح ہے، اور وہ اس میں اگر چہ سطحی اور عارضی تغیرات پیدا کر سکتی ہے، مگر اس کی حقیقت کو نہیں بدل سکتی، اب ہم اس فصل میں واضح مثالوں سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ روح قوم کے مستقبل اور اس کے نتائج عمل پر کس قدر قابو رکھتی ہے؟ اور نظام حکومت اس کے مقابل میں کس قدر بے اثر چیز ہے؟ اس وقت میں مثال کے طور پر ایک ایسے ملک (یعنی امریکہ) کو پیش کرنا ہوں جس میں ایک ہی قسم کی آب و ہوا اور ایک ہی قسم کے ماحول میں، یورپ کی دو متحدہ، دو صوبہ، اور طبعاً قومیں پہلو بہ پہلو آباد ہیں، اور ان میں نظام اخلاق کے سوا کوئی چیز بالائے امتیاز نہیں،

۱۔ انوس کہ اس فصل میں بہت سے ناموں ناموں کی تفہیم ہم نہ کر سکے،

امریکہ دو بڑے عظمیوں سے مرکب ہے، جن کے درمیان ایک بڑا رخ حاصل ہے، دونوں کا رقبہ قریب قریب برابر ہے، اور دونوں کی سرزمین میں بھی کوئی فرق نہیں، ایک کو انگریزوں نے فتح کیا ہے اور آسٹین اپنی نوآبادی قائم کی ہے، اور دوسرے حصہ میں اسپینی قوم آباد ہے، دونوں کا نظام حکومت جمہوری ہے، اور چونکہ جنوبی حصہ کی جمہوریت نے ولایات متحدہ کے جمہوری نظام کو اپنی طرف منتقل کر لیا ہے، اسلئے دونوں کی جمہوریت میں بھڑکی پائی جاتی ہے، غرض قومیت کے سوا کسی حیثیت سے ان دونوں قوموں میں اختلاف و تباین نہیں ہو سکتا، اس لحاظ سے ہم کو دیکھنا چاہیے کہ اس اختلاف قومی کا کیا اثر ہے؟

سب سے پہلے اجمالی طور پر یوں کہیں انگریزوں کی اخلاقی حالت کا تذکرہ کرنا ضروری ہے جو بدولایت متحدہ میں آباد ہیں، کیونکہ تمام دنیا کی قوموں میں صرف یہی ایک ایسی قوم ہے جس کے اخلاق و عادات میں اتحاد و ہم رنگی، اور ہموازی پائی جاتی ہے، اسلئے اس کے مزاج عقلی کی تحدید نہایت آسان ہے، اخلاقی حیثیت سے انگریزی قوم کے مزاج عقلی کا امتیازی وصف قوت ارادی ہے، غالباً قدیم زمانہ میں رومن قوم کے سوا ایسا بے نظیر عزم، ایسی بلند ہمت، اس قدر ضبط نفس، اس قدر استقلال اس قدر نشاط، اس قدر رشید ذہنی احساس، اس قدر قومی احترام اور اس قدر احساس فرائض (سنس آف ڈیوٹی) دنیا کی کسی قوم میں نہیں پایا جاتا، لیکن عقلی حیثیت سے اس قوم کے اول امتیازی اوصاف کو جو اسی قوم کے ساتھ مخصوص ہیں، اور دوسری تمدن قوموں میں نہیں پائے جاتے آسانی کیساتھ نہیں بیان کیا جاسکتا زیادہ سے زیادہ اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ عقلی حیثیت سے اس کے تصورات و خیالات نہایت پختہ اور صحیح ہیں، اور وہ محض وہی باتوں میں بڑے گراہ نہیں ہوتی، اس کو دوسری عبارت میں یوں ادا کیا جاسکتا ہے کہ اس کا ذوق عقلی حقائق و اقدیمہ کو شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے، اور نظریات کلیہ یعنی خیالی تصویروں کا اور بہت کم اثر پڑتا ہے، عقلی دائرہ کی عدم وسعت اس کو

کم درجہ کے مذہبی عقائد کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی، ان عام اوصاف کے ساتھ انگریزوں کا مستقبل اس قدر روشن ہو کہ گویا اونھوں نے اپنی زندگی کی تمام منزلیں متین کر لی ہیں، اور اب وہ اسکو دوسری بہتر زندگی سے بدلنا نہیں چاہتے، ہر انگریز اپنے وطن، اپنے خاندان، اور اپنے آقا کا حق شناس ہوتا ہے، اور مستقبل کی غیر متبدل توقعات نے اجنبی قوموں کو او کی نگاہ میں سبک کر دیا ہے، قدیم رومن قومین اپنے زمانہ عروج میں برابرہ کو جس نگاہ کے ساتھ دیکھتی تھیں، اب انگریز غیر قوموں کو، اور غیر قوموں کے اخلاق و عادات کو اوسنی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس بنا پر وہ اجنبیوں کا قومی احترام نہیں کرتے، ہر انگریز دیگر غیر قوموں کے معاملے میں اول چیزوں کو بے تکلف استعمال کر سکتا ہے، جن کو اگر وہ اپنے ملک میں رائج کرتا تو ہر طرف سے اوس پر اعتراض کئے جاتے اگرچہ فلسفیانہ حیثیت سے یہ ایک اخلاقی کمزوری ہے، لیکن قومی ترقی کے لیے اس سے زیادہ کوئی چیز مفید نہیں ایسے انگریزوں کی یہ سب سے بڑی طاقت ہے، اور خود انگریزی سپہ سالار و سلی نے اوس کی طرف اشارہ کیا ہے، جب بحران میں ایک ایسے راستے کے بنانے کی تجویز پیش ہوئی جو براعظم یورپ میں سلسلہ اتصال قائم کر دے تو انگریزوں نے اس کو منظور نہیں کیا، اس موقع پر لوگوں نے کس قدر بچ کہا کہ چین یون کی طرح انگریز بھی غیر قوم کے اثرات کو اپنے ملک میں پھیلانا پسند نہیں کرتے اوصاف مذکورہ بالا انگریزی قوم کے ہر طبقے میں پائے جاتے ہیں، اس لیے انکا اثر انگریزی تمدن کی ہر شاخ پر پڑا ہے، جو شخص چند دنوں کے لیے بھی انگریزی ممالک کا سفر کرے گا اوس پر یہ حقیقت واضح ہو جائیگی، اُسکو ایک معمولی سے معمولی مزدور کے گھر میں بھی ایک مستقل طرز معاشرت اور بے نیازانہ زندگی نظر آئے گی، انکا گھر بے شبہ نہایت سنگ ہوگا، لیکن وہ مسایون کی کشش سے بالکل الگ تھلگ نظر آئے گا۔

وہ دیکھے گا کہ ایک انگریز ریلوے اسٹیشن پر چنان لوگ دوڑ دوڑ کر بیٹری کی طرح ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں، ایک دیوار کی آڑ میں جس پر اس لئے پہرہ بڑھا ہے کہ لوگوں کو گاڑیوں کی ٹکر سے بچایا جائے چپ چاپ کھڑا رہتا ہے، اس کے سامنے انگریزی قوم کا عزم و استقلال ایک آزاد اور خود مختار زندگی بکھٹنے والے طالب علم کی طرح، ایک مختی مزدور کے کاموں میں بھی نمایاں ہوگا، اس کو محسوس ہوگا کہ ہر انگریز پروفیسر تعلیم سے زیادہ تربیت اخلاق پر زور دیتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ دنیا کی کل اخلاق ہی کے ذریعہ سے چلائی جاسکتی ہے، مختصر یہ کہ اگر وہ انگریزوں کی عام زندگی پر نظر ڈالے گا تو اس کو معلوم ہو جائیگا کہ دیہاتی اپستالوں کی اصلاح ہندو گاہوں کی تعمیر ریلوے کا قیام، غرض انگریزوں کے اکثر کام افراد کی قوت سے چلتے ہیں، ان میں حکومت کا کوئی حصہ شامل نہیں ہوتا، اس بنا پر اگر وہ ان حالات کا بغور مطالعہ کرے گا، تو اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انگریزی قوم کو اگرچہ دوسری اجنبی قومیں، نہایت خشک، روکھی، اور اکھڑ قوم سمجھتی ہیں، لیکن دنیا میں صرف وہی ایک ایسی قوم ہے جس کو آزادی کے حقیقی معنوں میں آزاد کہا جاسکتا ہے، کیونکہ اس نے اپنے اوپر حکومت کرنے کا طریقہ معلوم کر لیا ہے، اس لئے اس نے حکومت کے دائرہ کو نہایت تنگ کر دیا ہے، اگر انگریزی قوم کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ دنیا کی سب سے پہلی قوم ہے جس نے اپنے آپ کو کلیسا اور بادشاہ دونوں کی حکومت سے آزاد کر لیا ہے، پندرہویں صدی سے مقنن دارلشکوہ انگریزی قانون اور رومن لا کا جو معتاد رہا تھا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان دونوں میں رومن لا کو خود مختار بادشاہوں نے وضع کیا ہے، اور اس کا مقصد افراد کی زندگی کو اپنے اوپر قربان کر لیا ہے، لیکن انگریزی قانون قوم کی مجموعی خوشنویسا کے نتیجہ ہے، اس لئے وہ قوم ہی کی حمایت کرتا ہے،

ایسی خوش اخلاق قوم جس جگہ ڈیڑا الیگی، اس کا بول بالا ہو جائیگا، اور عظیم الشان

حکومت قائم کرے گی، لیکن اگر اس کی زیر اثر قوم بجائے خود ضعیف ہوگی تو وہ اس قوم سے اچھی طرح فائدہ نہ اٹھا سکیگی، چنانچہ شمالی امریکہ کے سرخ رنگ کے باشندے اس قوم کے فیض تربیت قائم نہ اٹھا سکے بلکہ فنا ہو گئے، لیکن اگر اس قوم کی تعداد زیادہ ہوئی، اور اس میں مفید کاموں کے کرنے کا مادہ بھی ہوا جیسا کہ ہندوستان میں کا حال ہے، تو وہ انگریزوں کی سخت فرما بزدار ہو جائیگی اور زیادہ تر انہی کے فوائد کے لیے کام کرے گی،

انگریزی قوم نے اپنے مزاج عقلی کے ذریعہ سے جو ترقیاں کی ہیں اگرچہ اس کے آثار ہر جگہ نظر آتے ہیں، تاہم وہ جدید ممالک میں خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہوتے ہیں، مثلاً امریکہ ایک نیا ملک تھا جس کے باشندے صرف چند وحشی تھے، وہاں زراعت کا نام و نشان تک نہ تھا، اس بنا پر اگر کوئی شخص وہاں آباد ہونے کی غرض سے جاتا تو اس کو اپنی ذات کے سوا کسی اور سے اعانت کی توقع نہیں ہو سکتی تھی، لیکن انگریزی قوم وہاں جا کر آباد ہوئی اور اس قدر ترقیاں کیں کہ دنیا کا کوئی فرد اس سے ناواقف نہیں، ابھی اس کی ترقی کا زمانہ ایک صدی سے زیادہ معتد نہیں ہوا، لیکن وہ ترقی کے میدان میں دنیا کی عظیم الشان سلطنتوں کے دوش بدوش کھڑی ہو سکتی ہے، اور بہت کم توہین اور کا مقابلہ کر سکتی ہیں، چنانچہ جو لوگ جمہوریت امریکہ کے باشندوں کی رفتار ترقی کا صحیح اندازہ کرنا چاہتے ہیں، انکو میسور وزیر اور میسور پرنس کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جن سے معلوم ہوگا کہ انگریزی قوم میں اپنے اور حکومت کرنے، اعمالِ ہمد کے لئے کمپنیاں بنانے، شہروں کے بنانے، مدرسوں اور بندر گاہوں کے قائم کرنے، اور یلو سے لائینوں کے جال پھیلانے کا مادہ کس شدت کے ساتھ موجود ہے؟ امریکہ میں پولیس، اور پالیس کے سوا سلطنت کا اثر تمام چیزوں میں اس قدر کم پایا جاتا ہے کہ ایک شخص کو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سرے سے کوئی

سلطنت ہی قائم نہیں ہو، لیکن جو لوگ انگریزی قوم کے اخلاق سے متاثر ہیں، وہ امریکہ میں پیش قدمی کر سکتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ وہاں جا کر آباد ہو جاتے ہیں، وہ امریکہ کی قومیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ امریکہ کی آب و ہوا میں انگریزوں کے سوا کوئی شخص زندگی بسر ہی نہیں کر سکتا اور جو لوگ انگریزوں کے اخلاقی اوصاف کے ساتھ نہیں آؤ کو وہ سرزمین آہستہ آہستہ مٹا دیں گی کیونکہ وہاں کے جغرافیہ طبعی حدود، دریا اور پہاڑ کے بجائے عزم و استقلال ہیں، اس بنا پر نازک مزاج اٹالین تو وہاں بھوکون مرجائیں گے، اور اگر کروش اور حبشی ذلیل نوکروں کی زندگی بسر کریں گے،

امریکہ کی عظیم الشان جمہوریت کو اگر چہ فی طور پر حریت زار کہا جاسکتا ہے، لیکن اس میں مساوات و مواخات کا وجود نہیں پایا جاتا مساوات و مواخات صرف لیٹن خزاں الفاظ ہیں، قانون ارتقاء ان کو اپنی کسی دفعہ کا جزو بنانا گوارا نہیں کرتا امریکہ میں نسل و خاندان کا اثر اس قدر شدید اور عالمگیر ہے کہ اس سے کسی فرد کو مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ وہاں کی قومیت اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے، جو لوگ ضعیف، متوسط الحال، اور ذاتی قابلیت سے محروم ہیں، امریکہ میں ان کا گزرنہ نہیں ہو سکتا، اور اس کمزوری سے اس قسم کے افراد اس قسم کی قوموں کو یقیناً فنا ہونا پڑے گا، چنانچہ اپورونج کو جب وہاں کی جغرافیہ خصوصیات نے غیر مفید ثابت کیا تو ان میں کچھ لوگ بھوک سے مر گئے، اور کچھ لوگوں کو بندوبست کی گولیوں نے اڑا دیا، اور جو چینی مزدور امریکہ کے خاص باشندوں کے کاموں میں غلط انداز ہو رہے ہیں، عنقریب ان کا بھی یہی حشر ہوگا امریکہ سے انکی جلا وطنی کا قانون پاس ہو چکا ہے، لیکن چونکہ اسکے لیے عظیم نشان

۱۔ امریکہ میں ایک قانون جاری تھا، جس کے تحت قوم اگر کسی کالے آدمی کو مجرم سمجھتی تھی تو خود اسے عدالت میں پیش کیا جاتا تھا، عدالت اس کو سزا دیتی یا نہ دیتی، لیکن خود اس کو سزا سننے کی سزا دیتی تھی، یا تو ان اگر چہ بے سبب ہو گیا، لیکن لاچار غریب اور جو زمین جانی کر کے اس قوم کو ملوث کر دیتا تھا

مالی مصارف کی ضرورت تھی اسلئے اب تک اذ نہ ہو سکا حالانکہ اسکے لئے معاوضہ عاجلانہ کی ضرورت ہو، تاہم معدنی صوبوں میں اسکی ابتدا ہو چکی ہو، اسی طرح قانوناً غیر ملک کے غریب جلا وطن لوگوں کا سد باب کر دیا گیا ہے، لیکن وہ حبشی جو امریکہ کی خانہ جنگی کا اصلی سبب ہوئے تھے، انکا اب تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا ہے، کیونکہ یہ لوگ اس قدر معمولی درجہ کے کام کرتے ہیں کہ خود ہر امریکن اسکوا اپنے لئے تنگ و عار خیال کرتا ہو، قانونی حیثیت سے اگرچہ یہ لوگ بھی امریکہ کے باشندوں کے ساتھ مساویانہ حقوق رکھتے ہیں، لیکن علی طور پر ان کے ساتھ جانوروں کی طرح برتاؤ کیا جاتا ہو اور جب ان سے کوئی جرم سرزد ہوتا ہو تو تمام قوم فوراً ان کو سوسائٹی سے الگ کر دیتی ہو، اس مسئلہ میں تمام امریکن قوم انھیں قدیم اصول کی پابندی جو لٹش کے قانون نے قائم کئے تھے، ان میں پہلا اصول یہ ہو کہ جو لوگ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں ان کو لوگ گولی مار دیتے ہیں، یا پھانسی پر لٹکا دیتے ہیں، چنانچہ گذشتہ سال میں جن لوگوں پر اس قانون کا نفاذ کیا گیا ان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی، اس ہمدن ملک کے دامن پر بے شبہ یہ ایک نہایت سیاہ داغ ہے، لیکن اس کی جگہ گھٹ اس سیاہی کی تھل ہو سکتی ہو، یورپ اور ولایات متحدہ میں جو فرق ہو، اسکی تشریح صرف اس مختصر فقرہ میں کی جاسکتی ہو، کہ یورپ اس قوم کے نتائج اعمال کا منظر ہے جہاں افراد کی جگہ حکومت نے لے لی ہو، اور ولایات متحدہ ان افراد کی ہمت کا موقع ہیں جو ہر سرکاری کشمکش سے آزاد ہیں، لیکن اس فرق مراتب کا منشاء اخلاق کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا، یہ بالکل یقینی ہے کہ امریکن ممالک میں اشتراکیت کو کوئی جگہ نہیں مل سکتی، کیونکہ اشتراکیت استبدادی حکومت کے زعماء ترقی کی آخری منزل ہو، اس بنا پر وہ صرف ادنیٰ فرسودہ سال قوموں میں نشوونما پا سکتی ہے جنھوں نے صدیوں تک ایک ایسے نظام حکومت میں زندگی بسر کی ہے، جس نے لپٹا پور حکومت کرنے کا ملکہ ان سے سلب کر لیا ہو،

اب امرکیہ کے اس حصے کو چھوڑ کر ہم کو اس کے دوسرے حصے کی طرف متوجہ ہونا چاہیے جس میں ایک ایسی قوم آباد ہے جسکی ذہانت و طباعی میں اگرچہ کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا، تاہم وہ اول اخلاقی اوصاف سے محروم ہے، جن کے نتائج کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، قدرتی پیداوار کے لحاظ سے جنوبی امریکہ دنیا کا سب سے بڑا زرخیز ملک ہے، اس کا رقبہ یورپ کے رقبہ سے دو گنا ہے، اور اسکی آبادی تقریباً دسویں حصہ کے برابر ہے، وہاں زمین کا مالک وہ شخص ہوتا ہے جو اسکی کاشت کرتا ہے اسلئے وہ شخص کے لئے وقت عام ہے، باشندوں میں اسپینیوں کی تعداد غالب ہے، اس میں متعدد جمہوری ریاستیں مثلاً ارجنٹائن، برازیل، چلی، پیرو وغیرہ قائم ہیں، اور اون میں ہر ایک ریاست نے ولایات متحدہ کے نظام اختیار کیا ہے، اس لحاظ سے یہ تمام ریاستیں ایک ہی قانون کے زیر اثر ہیں لیکن بالینیمہ اون میں ہمیشہ ایک قومی طوائف الملوک کی قائم رہتی ہے جسکا اصلی سبب قومیت کا اختلاف اور اون اساسی اخلاق کا فقدان ہے، جو ولایات متحدہ کے باشندوں میں پائے جاتے ہیں، اسکی زمین جس قدر سرسبز ہے، اسی قدر اسکو ہر قسم کے نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں، افلاس اس پر چھا جاتا ہے، اور استبداد اس کو مار ڈالتا ہے،

جو لوگ امرکیہ کی اسپینی جمہوریت کے حالات تنزل سے پوری طور پر واقف ہونا چاہتے ہیں انکو موسیو ٹیلی کی کتاب پڑھنی چاہیے، جس میں بتایا گیا ہے کہ اس انحطاط کا سبب صرف اس قوم کا مزاج عقلی ہے، کیونکہ وہ عزم و ارادہ اور تمام ملکات فاضلہ سے محروم ہے، اور اسی اخیر شرارت و خریکے بے بہرہ رہنے کا نتیجہ ہے کہ اسکا تنزل تمام یورپ میں ضرب المثل ہے، مصنف موصوف نے وہاں کے ایک اہم شہر یعنی یونیوس ایس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ”جس شخص میں ان کے برابر زندہ احساس، اور ذرہ کے برابر بھی اخلاق موجود ہے، یہ شہر اسکی اقامت کے قابل نہیں“

اور جمہوریت ارضٹائن کے متعلق جو تنزل میں اس سے بہت کم ہو لکھا ہو،
 جو شخص اس جمہوریت کے تجارتی معاملات پر نگاہ ڈالے گا، اس کے چہرے پر اس
 بد عمدی اور بے اعتباری کو دیکھ کر شرم کی ایک تہ چڑھ جائیگی جو ہر جگہ آفتاب کی طرح نظر آتی ہے،
 اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ ”ہر نظام حکومت کا بعد و قومیت ہے، اور ایک نظام حکومت
 دوسری قوم میں منتقل نہیں کیا جاسکتا،“ تو اسکی دلیل میں صرف امریکہ ہی کو پیش کیا جاسکتا ہو، ولایت
 متحدہ کے آزادانہ طرز حکومت نے پست درجہ کی قوموں میں منتقل ہو کر جو قالب اختیار کر لیا اس سے
 واقع ہونے کا دل میں شوق پیدا ہوتا ہے، ہوسٹنٹیل امریکہ کی اسپینی جمہوریت کے متعلق فرماتے ہیں
 ”وہ اون امرا کے ہاتھ میں ہو، جزائر روس بلکہ اس سے بھی زیادہ مطلق العنانی کے ساتھ حکومت
 کرتے ہیں، کیونکہ یورپ کی طرح انکا محاسبہ و مراقبہ نہیں کیا جاتا، تمام عہدہ داران کے دست پر درہن
 رعایا ص کو چاہتی ہو آزادی کے ساتھ انتخاب کرتی ہو، لیکن اسکے انتخاب کا کوئی اعتبار نہیں
 کیا جاتا، جمہوریت ارضٹائن صرف نام ہی کی جمہوریت ہو ورنہ حقیقت وہ شخصی حکومت ہے،
 جس کو چند لوگوں نے سیاست کی منڈی بنا لیا ہو،“

برائیل اگرچہ اس تنزل سے محفوظ ہو، لیکن یہ شاہی حکومت کا احسان ہو، جس نے
 اسکو مطلق العنانی کی خواہشوں کے جنگل میں جانے نہیں دیا، لیکن چونکہ یہ نظام حکومت ایسی
 ضعیف لا راوہ اور کم ہمت قوم کی حالت کے لحاظ سے کسی قدر زیادہ آزاد تھا، ایسے دوسری مرتبہ اسکا ڈھنگ
 بگڑ گیا، اور اسکے ساتھ تمام قوم میں بھی طوائف الملوکی پھیل گئی اور بدبران سلطنت نے چند سال میں عیاکی
 تمام دولت تقسیم کر لی، پھر اس کے بعد فی صدی ساٹھ روپیہ کے حساب سے ٹیکس میں اضافہ کر دیا،

لیٹن قوموں کا یہ انحطاط صرف امریکہ کی سیاسی حالت ہی سے نمایاں نہیں ہوتا بلکہ تمدن کے
 کل عناصر میں ہی آثار پائے جاتے ہیں، یقیناً ایک دن اس بد بخت اور کس پیرس جمہوریت کا

خاتمہ وحشت پر ہو گا، کیونکہ اس کی صنعت اور تجارت دونوں غیر قوموں یعنی انگریزوں جہنم میں اور
 امریکیوں کے ہاتھ میں چلی گئی ہیں، یہاں تک کہ فالیاریز و ایک انگریزی شہر ہو گیا ہے، اگر غیر ملک کے باشندے
 نہ ہوتے تو چلی میں کیا دھرا تھا؟ اگر اس میں اول انجینیوں کی آبادی نہ ہوتی تو اس میں تمدن کا وہ آب
 رنگ نظر نہ آتا، جس کے لئے تمام یورپ اس کی طرف آمادہ سفر ہے، جمہوریت ارجنٹائن میں ۴۰ لاکھ سفید
 رنگ کے باشندے ہیں، لیکن اصل اسپینیوں سے ملتی ہے، لیکن ان میں ایک کے ہاتھ میں بھی کوئی اہم
 صنعت نہیں، بلکہ کل کی کل انجینیوں کے دست تصرف میں ہے،

لیٹن قوم کا یہ حیرت انگیز انحطاط، ایک ایسے ملک کے پہلو پہلو جہاں انگریزی ترقی کے
 آثار نمایاں ہیں، رنج و غم کے جذبات کو قدرتی طور پر ادھار دیتا ہے، لیکن یہ ایک مشاہدہ
 ہے، اور ایسا مشاہدہ جس سے زیادہ صحیح طور پر کسی دوسرے طریقے سے نو اس نفسیہ پر استدلال
 نہیں کیا جاسکتا،



تیسری فصل

قومی روح کے تغیر و تبدل سے قوم کے اطوار زندگی بھی بدل جاتے ہیں

اجنبی قوموں کا اثر قوم کی روح اور قوم کے تمدن کو بدل دیتا ہے، روم کی مثال، روم کا تمدن برابرہ کی فوجی غارتگری سے برباد نہیں ہوا، بلکہ ادن کے اختلاط و امتزاج سے اوس پر زوال آیا، سلطنت روم کے زوال کا خیال بھی برابرہ کے دل میں نہیں آیا تھا، اذکی غارتگری فتح کی نیکل اختیار نہیں کی، فرنگ کے قدیم رُوسا نے ہمیشہ اپنے آپ کو سلطنت روم کا سرکاری ملازم سمجھا، اودھون نے روم کی عظمت کا ہمیشہ احترام کیا، اور اوجس کے قائم رہنے کی فکر میں مصروف رہے، بربر کے رُوسا نے کمال قوم کے ملک یعنی فرانس میں شاہ روم کی سیاحت ساتویں صدی میں کشتی کرنا شروع کی رومین تمدن کا انقلاب کلی اس بنا پر نہیں ہوا کہ اسکی بنیادیں کسی قسم کا زلزلہ واقع ہو گیا بلکہ اس بنا پر کہ ایک جدید قوم نے اس تمدن قدیم کی نقل و تقلید کی، ولایات متحدہ میں موجودہ دور کی غارتگریاں، ان غارتگریوں کی وجہ سے بہت سے اندرونی جھگڑوں کا مواد فراہم ہوتا ہے، اور الگ الگ مستقل حکومتوں میں ملک کی تقسیم ہو جاتی ہے، فرانس میں اجنبیوں کی غارتگری اور اوس کے نتائج،

گزشتہ مثالوں سے ثابت ہوا ہوگا کہ تمدن کا مبداء اصلی، نظام حکومت نہیں بلکہ ہر قوم کا نظام اخلاق یعنی اوسکی فطرت ہے، اسی طرح جہاں ہم نے تاریخی قوموں کی پیدائش پر بحث کی، وہاں بتایا ہے کہ جب اجنبی قوموں کے ساتھ اوکا سلسلہ توالد و تناسل قائم ہوتا ہے،

تو اون میں ضعف کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں اور جو قوم اجنبیوں کے میل جول سے الگ تھلگ رہی ہو، صرف اسی نے اپنے آپ کو اس ضحلال طبعی سے بچا یا ہے، اور اپنی اجتماعی قوت کو محفوظ رکھا ہو، چنانچہ ہندوستان میں قدیم آریں قوم، اور آج تمام نوآبادیوں میں انگریزوں نے اسی اصول پر عمل کر کے اپنی قومی خصوصیات کی محافظت کی ہو، صرف اجنبی قوم کے چند افراد کا وجود قومی روح کے بدلنے کے لیے کافی ہو، کیونکہ قوم اگرچہ خود اون افراد کے ذاتی اثر سے بچ سکتی ہے لیکن وہ اون کی آئندہ نسل، اُن کے تاریخی آثار اور اُن کے آباء و اجداد کے کارناموں کے اثر سے کیونکر محفوظ رہ سکتی ہو؟

یہ ہمارے گزشتہ بیانات کا نتیجہ ہے، لیکن جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تمام تمدنی نشانیں صرف قومی روح سے نکلی ہیں، تو اس روح کے بغیر تمدن و تہذیب میں بھی تغیر کا پیدا ہونا لازمی ہے، زمانہ گزشتہ میں اسکی متعدد مثالیں موجود ہیں اور آئندہ زمانے میں مستقبل بھی اسی قسم کی مثالوں کو پیش کرے گا، چنانچہ اس کلیہ کی سب سے بہتر مثال روم کے تمدنی انقلاب میں ملتی ہو، مورخین کا خیال ہے کہ یہ انقلاب بربر کی غارتگری کا نتیجہ تھا، لیکن غور و فکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت روم کا زوال جنگی لوٹ مار کا نتیجہ نہیں، بلکہ مصاحت آمیز غارتگری کا نتیجہ ہے، صرف یہی نہیں کہ بربر نے تمدن روم کی بنیاد کو متزلزل کرنا نہیں چاہا، بلکہ ادھون نے اُسکا احترام کیا، اور اپنے آپ کو اُس کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی، چنانچہ ادھون نے رومیوں کی زبان کو سیکھنا چاہا اور اُن کے نظام حکومت اور فنون لطیفہ کی محافظت کی اور اپنی سلطنت کے آخری زمانہ یعنی شاہ المیر و خنہین کے عہد تک اس موروثی تمدن کو محفوظ رکھا چنانچہ شاہ شارطال اعظم کے تمام کارناموں پر اسی تمدن کا رنگ چڑھا ہوا ہے، لیکن ہم کو بد اہتہ معلوم ہے کہ یہ ایک محال کام تھا جس کو بربر انجام دینا چاہتے تھے، اسی بنا پر جب صدیوں کے بعد بربر کی

ایک نئی نسل پیدا ہو گئی تو طرز معاشرت کے اتحاد نے اوکی ایک جدید قوم پیدا کر دی، اور اوسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اوس قوم نے ایک جدید نظام حکومت اور جدید فنون لطیفہ بلکہ ایک جدید تمدن پیدا کر دیا، یہ صحیح ہے کہ یہ تمدن قدیم رومن تہذیب کے اثر سے بالکل آزاد نہ تھا، تاہم اس میں بھی شبہ نہیں کہ رومن تمدن کے بقا و قیام کے لیے جو کوششیں کی گئی تھیں وہ بالکل ضائع نہیں گئیں، اور نورش اور علمی ترقی و دونوں اسکے فنون لطیفہ اور نظام حکومت کا اعادہ کر سکیں اس بنا پر سلطنت روم پر بربر غارتگری کا آغاز اگرچہ پہلی صدی عیسوی سے ہو چکا تھا، اور آخر کار وہ لوگ اسکو گل بھی گئے تاہم حقیقت اویںوں نے رومن تمدن کو مردہ نہیں کیا، بلکہ اُسکے قائم رکھنے کی کوشش کی، اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ برابرہ نے رومیوں سے جنگ نہیں کی، بلکہ صرف انکے ساتھ آہستہ آہستہ میل جول پیدا کرنا شروع کیا، اور اسطرح رومیوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی گئی، تب بھی تاریخی روش میں کوئی تغیر نہ پیدا ہوگا، اور نتیجہ وہی ہوگا جو اوپر لکھ چکا ہے، یعنی صرف یہ اختلاط اگر سلطنت روم کی بنیاد کو متزلزل نہ کر دیتا تو کم از کم اوسکی وضع کو تو ضرور فکا کر دیتا، اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ رومن تمدن میں فتنۃ انقلاب نہیں پیدا ہوا بلکہ صرف اجنبی قوموں کے ہاتھ میں پڑنے سے رفتہ رفتہ اس میں تغیر پیدا ہونے لگا چنانچہ بربر غارتگری کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالنے سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے،

علمائے آثار قدیمہ خصوصاً فوسٹیل دی کولانچ کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف

بربر کی اس مصالحت آمیز غارتگری نے سلطنت روم کی بنیاد متزلزل کر دی اور اُس فوجی غارتگری نے جسکی مدافعت رومی خود بربر سپاہیوں کے ذریعہ سے کرتے تھے، اوس کے تمدن کو خفیف سی ٹھیس بھی نہیں لگائی، کیونکہ شاہان قدیم کے زمانے سے رومن فوج میں بربروں کی بھرتی ہونے لگی تھی اور جس قدر روم کی دولت و ثروت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا اور لوگ عیش پرستی کی دہ سے

فوجی خدمت سے جان چراتے تھے، اوسی قدر یہ روش وسعت اختیار کرتی جاتی تھی، چنانچہ چند ہی صدیوں میں تمام فوجی مناصب و سرکاری عہدے اہل فوجیوں سے بھر گئے، اور تمام فوجی نظام و زرخو، بر جوندی، اور فنک سے مرکب ہو گیا اور چونکہ تمام فوجی اور ملکی عہدے بربر کے ہاتھ میں آ گئے تھے، اسلئے رفتہ رفتہ تمام صوبے خود مختار ہونے لگے یہ سب کچھ ہوا تاہم سلطنت کے نفوذ و قوت کا یہ اثر تھا کہ بربر کسی قسم کے انقلاب پیدا کرنے کی جرأت نہ کر سکے، یہاں تک کہ ان کا جو فرد خود روم کی حکومت کر رہا تھا وہ بھی کسی قسم کا انقلاب نہ پیدا کر سکا چنانچہ ۱۴۶ء میں جب شاہ ہیرول نے روم پر تسلط حاصل کر لیا تو انہوں نے نہایت عجلت کے ساتھ شاہ قسطنطنیہ سے درخواست کی کہ اسکو بائیر (سرور) کے خطاب کے ساتھ اٹلی کی حکومت کی اجازت دیجائے، اور ان کے تمام رومدار میں سے کسی نے اس روش کی مخالفت نہیں کی بلکہ تمام صوبوں پر روم کے نام سے حکومت کرتے رہے، لیکن ملک میں کسی قسم کا تصرف کرنے یا نظام حکومت کے بدلنے کا خیال ایک دن بھی ان کے دہن میں نہیں پیدا ہوا یہاں تک کہ گلوٹیس اپنے آپ کو ہمیشہ ایک رومی عہدہ دار سمجھتا رہا، اور جب شاہ روم نے اسکو قنصل کا خطاب دیا تو وہ فرد غرور کے نشہ میں چور ہو گیا، چنانچہ ۳ سال تک سکے جانشینوں نے روم میں شاہنشاہی قوانین کے مطابق حکومت کی، اور تمام لوگوں کو اس کے ادب و احترام پر آمادہ کیا، ساتویں صدی عیسوی تک یہی حالت قائم رہی، لیکن ان کے بعد بربر نے استدرجرات کی کہ گال میں سکے ڈبائے اور اس پر اپنی تصویر بنائی، حالانکہ اس زمانے میں سکون پر صرف سلاطین روم کی تصویریں ہوتی تھیں، اسی زمانے میں بربر نے سلطنت روم کی سیادت سے انکار کیا، اس پر جن مورخین نے اس سے دوسو برس پہلے سے فرانس کے تاریخی زمانے کی ابتدا کی ہے، اور موجودہ بادشاہوں میں اس بادشاہوں کا اضافہ کر دیا، جو ادھون نے سخت غلطی کی ہے، روم پر بربر فارت گری فتوحات کی شکل میں بظاہر زمین ہونی کیونکہ رعایا کو ان کی جائداد

زبان، اور قانون پر قائم رہنے دیا گیا، اسلئے قیاس غالب یہ ہو کہ سلطنت روم کا زوال اس
تدریجی رفتار کے ساتھ ہوا کہ اس زمانے کے لوگوں کو خبر بھی نہ ہونے پائی، ملک صدیوں تک متحد
صوبوں میں تقسیم ہو چکا تھا جس پر گورنر شاہی لقب کے ساتھ حکمران تھے، لیکن دن گورنروں نے
یہ جو مختار حکومت نہایت تدریجی ترقی کے ساتھ حاصل کی تھی، اس بنا پر سرفوجین کے زمانہ تک یہ لوگ
نظام حکومت میں کسی قسم کی تبدیلی نہ پیدا کر سکے، روم میں عالم انقلاب کی ابتداء اس وقت سے ہوئی جب
ایک جدید تاریخی قوم عالم وجود میں آئی اور تو انین فطرت کے مطابق اس کے ساتھ ساتھ لازمی
طور پر ایک تمدن جدید کی نشوونما بھی ہوئی،

قوموں کی زندگی کا یہ ایک غیر متبدل قانون ہے، جس کے نئے نئے نتائج ہمیشہ ظاہر ہوتے
رہتے ہیں، اس قانون کے پیش نظر رکھنے کے بعد ہم کو اس زمانے میں ایسی مصالحت آمیز غارتگریاں
نظر آتی ہیں جو اس غارتگری سے بہت کچھ مشابہ ہیں، جس نے تمدن روم کو بالکل بدل دیا تھا،
آج تمدنی وسعت کی بنا پر یہ عالم خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ہرگز زمانہ گزر گیا اور اونھوں نے وسط ایشیا
اور افریقہ میں قامت اختیار کر لی اسلئے ان کو کوئی قابل محاط قوم نہیں قرار دیا جاسکتا، ہلکا ٹھوڑا کچھ
صرف اقتصادی حیثیت سے ہے کہ وہ اسی کے لیے ہم سے لڑتے بھڑتے رہتے ہیں، بے شبہ ہم بھی
ان قدیم بربروں سے بحث نہیں کرتے لیکن گفتگو ان بربروں کے متعلق ہے، جن کو ہم اپنے آپ سے
دور سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ رومن شاہنشاہی کے بربروں سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہیں، کیونکہ ان کی
آبادی تمام تمدن قوموں کی نگاہ کے سامنے ہے اس احوال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک طرف تو ہمارے
تمدن نہایت کثیر الاجزاء، شاخ و شاخ، اور گروہ درگروہ ہو گیا ہے، اور جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں افراد
درمیان بہت زیادہ فرق مراتب ہو گیا ہے، دوسری طرف ہر قوم میں ان غیر تمدن افراد کی
کثرت ہوتی جاتی ہے جو اس ترقی یافتہ تمدن کے محل نہیں ہو سکتے، یہ قومی ضعف روز بروز بڑھتا

جاتا ہے، اوس میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے، اور غریب اس غارتگری کا دور شروع ہونیوالا ہے، ان جسدیدہ برابر متارک لوطن ہو کر دلائات متحدہ امریکہ کو لوٹنا شروع کر دیا ہے اور اس غلط نشان قوم کا تمدن اون کی وجہ سے معرض خطر میں ہے، جب تارک الوطنی کا رواج کم تھا، اور تارک لوطن لوگ صرف انگریز تھے تو امریکہ کی زمین نہایت آسانی کے ساتھ اون کو جذب کر لیتی تھی، اور انگریزوں ہی کی تارک الوطنی نے امریکہ کی عظمت کا سنگ بنیاد رکھا، لیکن آج امریکہ میں غیر تمدن قوموں کا ایک سیلاب آ گیا ہے، اور اوسکی سر زمین نہ اون کو جذب کرنا چاہتی اور نہ جذب کر سکتی، ہشتہ سے لیکر سترہ تک تقریباً ساٹھ ملین (ایک ملین میں لاکھ کا ہوتا ہے) تارک الوطن امریکہ میں داخل ہوئے اور انہیں تقریباً سب کے سب غیر تمدن قوموں سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی قومیت بالکل مختلف تھی، چکاگو کی تمام آبادی میں اس وقت امریکن باشندوں کا چوتھائی حصہ بھی نہیں رہا، کل آبادی کی تعداد (۱۰۱۰۰۰۰۰) جمین (۴۰۰۰۰۰) جرمن (۲۲۰۰۰) آئرش (۵۰۰۰۰) پول (پولونی) (۵۵۰۰۰) تشیک وغیرہ ہیں ان مہاجرین میں اور امریکہ کے خاص باشندوں میں کسی قسم کا میل جول نہیں ہے، یہاں تک کہ یہ لوگ اپنے جدید وطن امریکہ کی زبان بھی سیکھنا نہیں پسند کرتے، وہاں بہت سے ایسے تارک لوطن بھی ہیں جنکا پیشہ اس قدر قلیل النفع ہے کہ وہ اس پر قناعت نہیں کر سکتے، ایسے ملک کے سب سے بڑے دشمن بن گئے ہیں، ریلوے لائنوں کے مزدوروں نے جب اسٹراٹک کر دی تھی تو اون لوگوں نے شہر میں آگ لگانے کا تہیہ کر لیا تھا، یہاں تک کہ حکومت کو مجبوراً توپ سے کام لینا پڑا، انہی لوگوں میں سے اس قبیلہ المنظر سوشالزم کے سادہ دماغ پیدا ہوتے ہیں جس نے بڑے بڑے ایوانوں کی دیواریں ہلا دی ہیں اور جو یورپ میں بھی طبعی ضعف کی وجہ سے اپنا قدم جما جاتی جاتی ہے، لیکن ایک امریکن اوس سے سخت نفرت رکھتا ہے،

امریکہ کی عظیم الشان جمہوریت میں ان مذاہب مختلفہ کی بنا پر جو نزاع قائم ہو گئی ہے، وہ
 عنقریب مختلف طرز معاشرت رکھنے والی قوموں کی عام جنگ بن جائیگی، یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے
 کہ امریکہ کے اصلی باشندوں، اور اجنبیوں میں جو جنگ عنقریب ہونے والی ہے، اس میں اجنبیوں کو
 فتح و ظفر حاصل نہ ہو سکیگی، اور یہ معرکہ ایک ایسے مقبرہ کا سنگ بنیاد رکھے گا جو ماریوس کے
 ہاتھوں ساٹمبر کی تباہی کا منظر دوبارہ دنیا کے پیش نظر کر دے گا، لیکن اگر تارک لوطنی کا سلسلہ
 اسی وسعت کے ساتھ جاری رہا، اور جنگ میں تاخیر ہوئی تو ان اجنبیوں کا کال استیصال نہ ہو سکا
 اور ولایات متحدہ کا بھی وہی حال ہو گا جو سلطنت روم کا ہوا یعنی اسکی تقسیم الگ الگ سلطنتوں میں
 ہو جائیگی، اور ان میں باہم متصل لڑائیاں قائم ہوتی رہیں گی جیسا کہ یورپ و اسیانی امریکہ میں ہوتا ہے،
 صرف امریکہ ہی کو ان غارت گریوں کا خوف نہیں ہے، بلکہ یورپ میں قوموں میں فریج قوم کو بھی
 اس کا خطرہ ہے کیونکہ فرانس ایک نہریں ملک ہے، اور اسکی آبادی میں اضافہ نہیں ہوتا، اسکے آس پاس کی
 قومیں نہایت مفلس ہیں اور ان کی مردم شماری میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے اس بنا پر فرانس کی
 اونکی ہجرت یقینی ہے، فرانس میں مزدوری کی شرح میں جو اضافہ ہوا ہے، وہ بھی اس کا موید ہے،
 کیونکہ فرانسیسی اسکے ذریعہ سے زرعی اور صنعتی کاموں میں اجنبیوں کے قبول کرنے پر تمام قوم کو
 مجبور کر رہے ہیں، فرانس کے تارک لوطنوں کو جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، وہ بالکل بدیہی ہیں، نہ انکو
 توجہ خدمت پر مجبور کیا جاتا، اور نہ ان سے ٹکس لیا جاتا، اور اگر لیا بھی جاتا ہے، تو چونکہ وہ لوگ مستقل قیام
 نہیں رکھتے، اور ان کے کام زیادہ محنت طلب نہیں ہیں، اور انکو نسبت اپنے ملکوں کے زیادہ
 اجرت دینا پڑتی ہے، اسلئے انکو بہت کم ٹکس ادا کرنا ہوتا ہے، فرانس میں صرف دولت ہی انکو
 پہنچ نہیں لاتی، بلکہ اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ دوسرے ممالک ہمیشہ اس قسم کے قوانین وضع کرتے
 رہے ہیں، ہر ایک فرقہ تمام سے دوسرے سے قبل سب فرانس پر چڑھ گیا تھا، اور اسکے حاکم ماریوس نے اسکو پال کر دیا تھا،

رہتے ہیں جن کی روسے وہ ان ممالک کی طرف رخ نہیں کر سکتے،
 انجینیوں کی اس غارتگری کا خطہ اسلئے اور بھی زیادہ ہوتا جاتا ہے کہ جو لوگ یہاں آنے میں وہ
 نہایت پست طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور صرف ذرائع معاش کی کمی سے اون کو اپنا وطن چھوڑنا
 پڑتا ہے، ہم انسانیت کے فطری اقتضائے محبت سے اون کا خیر مقدم کرتے ہیں، اسلئے اون کی
 تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے، آج سے چالیس سال پہلے اون کی تعداد (۴۰۰۰۰۰) سے کم تھی،
 لیکن اب یہ تعداد بڑھ کر (۲۰۰۰۰۰) تک پہنچ گئی ہے، اون کی نوعیت میں بھی روز بروز
 اضافہ ہوتا جاتا ہے، اگر ہم صرف اٹالین قوم پر نظر ڈالیں تو مرسیلیا اٹالین نوآبادی معلوم ہوتی ہے،
 بلکہ اٹلی کی نوآبادیوں میں کوئی نوآبادی ایسی نہیں ہے جس میں اٹالین باشندوں کی تعداد
 مرسیلیا کے اٹالین تارک لوطنوں کے برابر ہو اور اگر تارک لوطنی کی یہ رفتار اسی طرح جاری رہی
 تو عنقریب فرانس کی آبادی میں ایک ثلث جرمن اور ایک ثلث اٹالین عنصر نظر آئیگا، بھراپسی حالت
 میں فرانس کے قومی اتحاد بلکہ خود فریج قوم کی ہستی کا کیا حال ہوگا، جنگ کی بڑھی بڑھی مصیبت کے نتائج میں
 زیادہ آسان نہیں، گذشتہ قومی اتحادی طور پر اجنبی قوموں سے نفرت کرا سیکھا تھا، کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ قومی
 عزت صرف ملکی باشندوں کے وجود کے ساتھ وابستہ ہے، ملک کی آبادی کی کثرت سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اس
 ثابت ہوتا ہے کہ تمام تاریخی اور تمدنی مسائل کا سنگ بنیاد، قومی عناصر کا اتحاد ہے جس کے آگے ہر قسم کے اتحاد چھین

سے لیکن کوئی قوم انجینیوں کی اس غارتگری کو روک نہیں سکتی، کیونکہ وہ اقتصادی مسائل کا نتیجہ ہے، اسلئے کسی قوم کو اس سے
 معزین ہو سکتا، البتہ بعض ذرائع سے اس کی نشوونما کو روکا جاسکتا ہے، مثلاً ہر ۲ سالہ اجنبی باشندے کو وہاں سے لیے جانے
 قومی خدمت پر مجبور کرنا چاہیے، اور جو شخص اس پر ایک سال کا اور اضافہ کرے، اس کو مالی معاوضہ دینا چاہیے، اسی طرح
 ہر اس شخص سے جو فرانس کی قومیت میں شامل ہو یا نہ ہو لیکن اس سال سے کم کا باشندہ ہو آدمی یا عورت کا جو قومی حصہ
 اس میں لیا جاسکتا ہے، جو پریسڈنٹ اس قسم کا قانون پاس کرے وہ اس کا سختی سے کوئی یا دیگر کے طور پر اس کا عہدہ قائم کیا جائے

چوتھا باب

قوموں کے اوصاف نفسیہ میں کیونکر تغیر پیدا ہوتا ہے

پہلی فصل

قوموں کی زندگی پر اصول تمدن کا اثر

جن اصول پر تمدن کا دار مدار ہوا وہی تعداد نہایت کم ہے، ان اصول پر وجود اور عدم دونوں دیر میں طاری ہوتے ہیں، یہ اصول جب تک مکرر اسخہ بن جائیں، قوم کے اخلاق پر اثر نہیں کرتے اس حالت میں وہ اخلاق کا ایک جز بن جاتے ہیں، ان اصول کے بدیر انقلاب پذیر ہونے کی وجہ سے ایک کافی مدت تک تمدن قائم رہتا ہے، یہ اصول کیونکر استحکام و ثبات حاصل کرتے ہیں، اس ثبات و استحکام میں عقل کو کچھ دخل نہیں ہے، تاکید اور غشی قوت کا اثر پیغمبروں اور مذہبی پیشواؤں کا اثر، مختلف جماعتوں میں پھیل کر ان اصول کی صورت نسخ ہو جاتی ہے، جس وقت کوئی اصول ثبات اور رسوخ حاصل کر لیتا ہے اسی وقت تمدن کی تمام شاخوں میں اس کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے، ہر زمانے میں مطمح نظر کا متحد ہونا اور ایک ایسی متوسط اور متحدت کا پیدا ہو جانا جس کے اعمال و عقائد میں یکجہتی ہو صرف ان اصول کے اتحاد کا نتیجہ ہوتا ہے، عادات اور رائے عام کا اثر، اس اثر کا وزن ابتلا و امتحان کے زمانے میں جبکہ قدیم اصول کی قوت فنا ہو جاتی ہے، اور اس کی جگہ جدید اصول کی طاقت سے پر نہیں ہوتی ہلکا ہو جاتا ہے، صرف اتحاد ہی کے زمانے میں ہر رائے پر آسانی کے ساتھ بحث کی جاسکتی ہے، مذاہب کا دائمی وجود اسی وقت تک قائم رہ سکتا ہے جب تک ان کے متعلق بحث و مناظرہ نہ کیا جائے، تو میں جب اپنے

اصول اور مذاہب کو بدل دیتی ہیں تو مجبوراً انکو اپنا تمدن بھی بدلتا پڑتا ہے،
 اگرچہ ہر قوم کے نفسی اخلاق کی بنیاد نہایت مستحکم اور پائدار ہوتی ہے، تاہم جس طرح مرد و زمانہ
 اور قانون و اثر کے تغیرات زمانی کے ساتھ خصائص جسمانی میں تغیر و تبدل ہو جاتا ہے، اسی طرح
 ان اخلاق میں بھی تغیر و تبدل کی صلاحیت موجود ہے، اور نظام اخلاق کا یہی تغیر تمدنی انقلاب
 کا سب سے بڑا سبب ہے،

ان نفسی تغیرات کے متعدد اسباب ہیں۔ مثلاً (۱) ضروریات زندگی (۲) آب و ہوا اور
 جغرافیہ حالت کا اثر۔ (۳) علوم و فنون، صنعت و حرفت، تعلیم و تربیت اور عقائد و مذاہب وغیرہ
 کی ترقی، اس سے پہلے ہم نے ایک کتاب میں ان تمام موثرات پر استقصاء کے ساتھ بحث کی ہے۔
 اسلئے اس کتاب میں ان کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ اس فصل اور اسکے بابت کی فصل میں صرف
 چند مخصوص موثرات کے اثر اور اسکے علل و اسباب پر بحث کرنا کافی ہے،

قوموں کی قدیم تاریخ کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تمدن کی ترقی کا تاثر و ارادہ صرف
 چند اصول پر تھا، اور اگر ان قوموں کی تاریخ میں صرف ان اصول سے بحث کی جاتی تو وہ استفادہ
 طویل نہ ہوتا، کیونکہ ان اصول کی وجہ سے جو تمدن صدیوں میں پیدا ہوتا ہے، اور جس کے
 بہترین اجزاء یعنی علوم، فنون لطیفہ، اخلاق و عادات اور فلسفہ کی بنیاد صرف ایک یا دو
 اساسی اصول پر قائم ہوتی ہے، وہ اعلیٰ درجہ کا ترقی یافتہ تمدن خیال
 کیا جاتا ہے،

قومی روح پر ان اصول کا حقیقی اثر اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک بتدریج
 ان کا تجربہ نہ ہو جائے اور عالم عقل کی بلندی سے اوتر کر وہ انسان کے غیر شاعرانہ مرکز
 عمل میں نہ آجائے کیونکہ اس وقت وہ نظام اخلاق کا ایک جز بن جاتے ہیں، اور ذمہ کی

زندگی پر ادھکا اثر پڑتا ہے، اس طریقہ پر جب ان اصول کا خمیر تیار ہو جاتا ہے، تو چونکہ عقل کی حکومت سے آزاد ہو جاتے ہیں، اسلئے شدت کے ساتھ ادھکا اثر پڑتا ہے، ہم کو علانیہ نظر آتا ہے کہ جن ل پر کسی مذہبی یا غیر مذہبی اصول کے اثر کا اہتیار ہو جاتا ہے، اور کایقین عقل سے بالکل متاثر نہیں ہوتا، بلکہ دوسرے اصول کو کسی طرح توڑ مڑ کر اپنے مسئلہ اصول کے ساتھ غم کر لیتا ہے،

اس مسئلہ کے ثابت ہو جانے کے بعد کہ جب تک اصول عالم شعور سے اتر کر غیر شعورانہ دنیا میں نہ آجائیں تو می زندگی پر ادھکا اثر نہیں پڑتا، بہت سے عقدے حل ہو جاتے ہیں، ان کے بدیر تغیر پذیر ہونے کا سبب معلوم ہو جاتا ہے، یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ جن اصول پر تمدن کا دار مدار ہے اور ان کی تعداد نہایت کم ہوتی ہے، حقیقت مشکف ہو جاتی ہے کہ ان میں ایک طویل زمانے کے بعد انقلاب پیدا ہو سکتا ہے، اور حقیقت یہ نہایت مسرت کی بات ہے کہ چونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمدن ایک مدت تک زندہ نہ رہتا، اسی طرح یہ بھی نہایت خوش قسمتی کی بات ہے کہ نئے اصول میں ثبات و رسوخ کی قابلیت موجود ہوتی ہے، کیونکہ اگر صرف قدیم اصول ہمیشہ قائم رہتے، تو دنیا میں تمدن کو کبھی ترقی نہ ہوتی، لیکن چونکہ یہ قدیم اصول بہت دنوں کے بعد تغیرات کو قبول کرتے ہیں اسلئے جس طرح جدید اصول کئی نسلوں میں جا کر فنا ہوتے ہیں، اسی طرح کئی پشتوں کے گزرنے پر ادھکا اثر نمایاں ہوتا ہے، لیکن دنیا کی سب سے زیادہ متمدن قوم وہ ہے جس کے اساسی اصول کے فنا و بقا، کی مدت میں اتحاد ہو، یعنی جتنے دنوں تک وہ قائم ہے ہیں، اتنے ہی دنوں میں وہ فنا بھی ہوں، لیکن جن قوموں کو خوش قسمتی کا یہ موقع نہیں ملا وہ فنا ہو گئیں اور تاریخ میں صرف ادھکا نام ہی نام باقی ہے،

اس بنا پر قوموں کی تاریخ میں صرف اصول کی کثرت، اور ان کے طور کی قلیل مدت کا

حاط نہیں رکھنا چاہیے، بلکہ اسکے برعکس ان اصول کی قلت، انکے بدترتیب پیری، اور انکے شدید اثر پر بھی نگاہ ڈالنی چاہیے، بحال تمدن کو صرف چند اساسی اصول نے پیدا کیا ہے، انہی کے بقا کے ساتھ وہ قائم رہتا ہے، اور انہی کے بدلنے سے بدل جاتا ہے، فردن وسطیٰ کی زندگی صرف دو اصول پر قائم تھی، یعنی مذہب اور امر الکی سیادت، اس نے ان کے فنون لطیفہ، لٹریچر، غرض عام قومی زندگی کا وجود انہی دو ستونوں پر قائم تھا، اسکے چند دنوں کے بعد جب ایک نئے دور کا آغاز ہوا تو اولین میں کس قدر تغیر پیدا ہوا لیکن جب یورپ کے دماغ پر یونانی دور جدید نے اثر ڈالنا شروع کیا تو فنون لطیفہ، فلسفہ، انشاپروازی، اور لٹریچر، غرض عام قومی زندگی میں انقلاب پیدا ہونے لگا، اسکے بعد سنن قدیمہ کی قوت بالکل فنا ہو گئی، اور نقل کی جگہ عقل نے لے لی، اب تمدن نے ایک نیا قالب اختیار کیا، اور مذہب کے تمام ارکان منزلزل ہو گئے، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جس نظام اجتماعی کی بنیاد مذہبی اصول پر قائم تھی اس کے منہدم ہونے کا بھی خوف پیدا ہونے لگا،

لیکن صرف یہی ایک مثال کافی نہیں، ہم کو متعدد مثالوں سے ثابت کرنا چاہیے کہ خیالات و افکار کیونکر پیدا ہوتے ہیں؟ کیونکر نباتات و سرخ اختیار کرتے ہیں؟ کیونکر اولین میں تغیر و زوال آتا ہے؟ اگر ہم کو نباتات کے استقصاء کا موقع ملتا تو ہم بتاتے کہ تمدن کے تمام عناصر مثلاً فلسفہ، مذہب، فنون لطیفہ اور لٹریچر وغیرہ کی بنیاد صرف چند اساسی اصول پر قائم ہے، جو تبدیلی کی نشوونما پاتی ہیں، خود علوم بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں، چنانچہ علم طبعی صرف اس اصول پر قائم ہے کہ "قوت کبھی فنا نہیں ہوتی"۔

یہ اصول اگرچہ روشن دماغ لوگوں کی تحقیقات کا نتیجہ ہوتے ہیں، تاہم ادنیٰ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے نہایت مشکل اور نہایت تدریجی طور پر سرخ و استحکام حاصل کیا ہے، اس زمانے میں اگرچہ ہر چیز نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کرتی ہے، اور اہل نظر کی تحقیقات

ذاتی منافع اور خواہشات نفسانی سے متاثر نہیں ہوتی تاہم اب بھی ایک بنیادی علمی اصول کے استحکام و وضاحت کے لیے ۲۵ سال کی مدت درکار ہوتی ہے، دوران خون کا اصول بذات خود نہایت واضح تھا اور اسکے متعلق بہت کم اختلاف ہوا، لیکن اس سے کم مدت میں وہ بھی ثابت نہ ہو سکا،

تمام اصول کی تولید و ظهور بالکل کیساں طور پر ہوتی ہے، اس میں علمی اصول فلسفیانہ اصول، فنون لطیفہ کے اصول، اور لٹریچر اور انشاپردازی کے اصول میں باہم کسی قسم کا اختلاف نہیں پایا جاتا، اول اول ایک مختصر کردہ جو ان اصول کی منادی کرتا ہے، ان کا پابند ہوتا ہے، اسکے بعد ان پر وہ لوگ عمل کرتے ہیں جو اپنی قوت یقین، اور اقتدار سے قوم پر اثر رکھتے ہیں، ان لوگوں کا اثر خطبہ و تقریر کی نسبت تعلیم و تلقین کے ذریعہ سے زیادہ ہوتا ہے، کیونکہ قوت بیانیہ میں حقیقی تشفی کا عنصر نہیں ہوتا، مخاطب تکلم کی اطاعت یا تو اس بنا پر کرتا ہے کہ حکم کے نفوذ و قوت کا ادسکا اعتراف ہے، یا خود مکمل غلطی کے مذاق کے مطابق خطاب کرتا ہے، لیکن اگر وہ صرف عقل کو اپنا مخاطب بنائے تو ادسکا کچھ بھی اثر نہیں پڑ سکتا، بالخصوص جماعت تو صرف متواتر تاکید و ن ہی سے متاثر ہوتی ہے، اور تاکید کی قوت تاکید کرنے والے کے ذاتی اثر پر موقوف ہے،

ان اصول کی منادی کرنے والے جب اپنے قرب و جوار کے لوگوں کو متاثر کر لیتے ہیں تو انھیں میں سے اور لوگ ان اصول کے اعلان کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، اب ان جدید اصول پر بحث مباحثہ شروع ہو جاتا ہے، بالخصوص ابتدائی حالت میں چونکہ یہ اصول متعدد و قائم ثابت چیزوں سے ٹکراتے ہیں، اسلئے ان کا عام طور پر معاوضہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے ان منادی کرنے والوں کا جوش ایمان اور ترقی کر جاتا ہے، اور وہ اپنے اصول کی براہین نہایت عزم و استقلال

ساتھ کرتے ہیں، صرف اسلئے نہیں کہ وہ ان اصول کی صداقت و حقانیت کا اعتقاد رکھتے ہیں، کیونکہ وہ لوگ خود بھی صحیح طور پر ان کی صداقت کا علم نہیں رکھتے، بلکہ صرف اسلئے کہ انہوں نے ان اصول کو اختیار کر لیا ہو اور ان کی منادی کر رہے ہیں، اسوقت دونوں فریق میں سخت کشمکش پیدا ہوتی ہے، لیکن اس تصادم و تجاذب کی علت صرف یہ ہوتی ہے کہ منادی کرنے والے باوجود ان تمام مزاہمتوں کے ان کو قبول کرتے ہیں، اور دوسرا گروہ اسی شدت کے ساتھ انکار کا کرنا ہے، اس حالت میں اگرچہ ایک فریق کو شدت کے ساتھ انکار ہوتا ہے، اور دوسرا گروہ حوازا کی دونوں کے ساتھ ادنیٰ کو منوانا چاہتا ہے، لیکن لائل عقلیہ اس کشمکش سے بالکل علیحدہ رہتے ہیں، کیونکہ زیادہ تر اصول کے اعتراف و انکار کا تعلق احساس کے ساتھ ہوتا ہے، اور وہ دلیل سے بہت کم متاثر ہوتا ہے، جبکہ جس قدر شدت اختیار کرتی جاتی ہے، ان اصول کو آہستہ آہستہ نشوونما ہوتی جاتی ہے، اور جو اصول پہلے سے ثابت و قائم تھے انکو وہ اپنے اندر جذب کرتے جاتے ہیں، کیونکہ ان کا کتاب استقلال کا مقتضی ہوتا ہے، اور وہ قدیم اصول کا مواضع و تقابل کرنا چاہتے ہیں، اس تدبیر کی نشوونما کے چند ہی دنوں کے بعد یہ اصول اپنے حامیوں اور مددگاروں سے بے نیاز ہو جاتے ہیں، اور صرف نقل و تقلید کے ذریعہ سے عام طور پر پھیل جاتے ہیں، کیونکہ علوم جدیدہ کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے، کہ انسان کے ابوالآباد بند روں کی طرح، خود انسانوں میں بھی نقل و حکایت کا مادہ شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے،

جب ان اصول کا دور نشر و اشاعت اس حد تک پہنچ جاتا ہے، کہ صرف سر بیان خیال یعنی نقل و تقلید کے ذریعہ سے وہ پھیلنے لگتے ہیں، تو ان کی کامیابی کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے، رائج عام جن اصول کو جس قدر سرعت کے ساتھ قبول کر لیتی ہے، اوسقدر ان میں مغنی اور موثر طاقت زیادہ ہوتی ہے، یہی طاقت انکو رفتہ رفتہ دماغ کی طرف لیجاتی ہے، اوسمیں انکو مرکز کردہ جاتی ہے، اور اوسمیں

اونکا قابل اطمینان ملکہ پیدا کر دیتی ہے، اور وہ خاک کے ذروں کی طرح تمام خیالات، بلکہ اوس مائیکے تمام اعمال میں سرایت کر جاتے ہیں، اور موردی عادات کا ایک جز بن جاتے ہیں، اور مدتوں اون کو محفوظ رکھتے ہیں،

جن اُصول پر تمدن کی بنیاد قائم ہوتی ہے، اون میں بعض صرف اعلیٰ طبقوں کیساتھ مخصوص ہوتے ہیں مثلاً جن اُصول پر فنون لطیفہ اور فلسفہ کا دار مدار ہے، اون کو عوام سے کوئی تعلق نہیں، لیکن ان میں بعض اُصول کی ہمہ گیری بہت درجہ کے لوگوں کو بھی شامل ہو جاتی ہے، بالخصوص مذہب و پالیٹکس کا تعلق تو زیادہ تر عوام ہی کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن اس حالت میں ان اُصول کی صورت بالکل مسخ ہو جاتی ہے، اور جب وہ اُن سادہ لوح لوگوں کے قلوب میں مرکز ہو جاتے ہیں، جو بغیر بحث و مباحثہ کے اون کو قبول کر لیتے ہیں تو پھاڑ کی طرح اُٹل ہو جاتے ہیں، اور سیلاب کی طرح پھوٹ بہتے ہیں، چنانچہ ہر قوم میں اس قسم کے لاکھوں آدمی مل سکتے ہیں جنہوں نے اپنے اُصول راسخہ کے لئے اپنی جانیں بے دریغ قربان کر دی ہیں یہی وہ عالم ہے جس میں عظیم الشان واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں، جو تاریخ میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیتے ہیں، لیکن اس انقلاب کی دخول صرف عوام کی جماعت ہوتی ہے، دنیا میں آج تک انشا پر دار و صنایع، اور فلاسفہ کا گروہ کسی عالمگیر مذہب کا علمبردار ہوا نہ اُن سلطنتوں کی بنیاد ڈالی جو کروہ ارضی کے اس سرے سے اس سرے تک پھیل گئیں نہ اوس نے وہ مذہبی اور سیاسی شورشیں برپا کیں جنہوں نے یورپ کی کاپیٹل و ہی بلکہ ان انقلابات کے بانی صرف وہ اُن پڑھ لوگ ہوئے جنہوں نے اُصول کے اذعان اعتقاد اور اودن کی حمایت کے مقابل میں اپنی جانوں کو متاع حقیر خیال کیا، اسی گروہ کے بل پر بادشہان عرب نے یونان اور روم کے پرچے اوڑا دیئے، اور دنیا میں ایک ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کر لی جو تاریخ میں یادگار ہے، اور یہی عملی گروہ شورش فرانس کے زمانے میں نہایت تمام

یورپ کے مقابل میں کھڑا ہو گیا، کسی عقیدہ کی قوت و نفوذ کو صرف وہی عقیدہ ضعیف کر سکتا ہے جو قوت و نفوذ میں اس کے برابر ہو، اس بنا پر ایمان کا دشمن صرف ایمان ہی ہو سکتا ہے، اور جو بادی قوت عقیدہ کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے وہ جب تک ضعیف احساس، اور کمزور عقیدہ کی پابند ہے اس وقت تک اس کے مقابل میں عقیدہ ہی کو فتح حاصل ہوگی، لیکن اگر کوئی عقیدہ ایسے عقیدہ کے ساتھ ٹکرائے جسکی قوت اس کے برابر ہے، تو جنگ مساویانہ حالت کے ساتھ قائم رہیگی، اور فتح و ظفر کا فیصلہ ان خارجی حالات پر معلق رہے گا، جو ان میں فریق غالب کو محیط ہیں، ان حالات میں قوت اخلاق، اطاعت کشی، اور حسن نظام کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے، اگر ہم عرب کی ابتدائی فتوحات کی تاریخ کا مطالعہ کریں (اور ابتدائی فتوحات عادیہ زیادہ مشکل اور اہم ہوتی ہیں)، تو ہم کو معلوم ہوگا کہ جن دشمنوں سے ان کا مقابلہ ہوا ان کے فوجی نظام کی بنیاد اگرچہ نہایت مستحکم تھی لیکن ان کے نظام اخلاق میں سخت ضعف آگیا تھا، چنانچہ اول اول جب عربوں کی فوج نے ملک شام کی طرف پیش قدمی کی تو ان کا مقابلہ نیز شائن فوج سے ہوا جو صرف ان کو راہ دار مزدور ملک مرتب کی گئی تھی جو کسی مقصد کے لئے قربانی کرنے پر آمادہ نہ تھے، لیکن عربوں کے جوش ایمان نے ان کی قلیل جماعت کی قوت میں دس گنا اضافہ کر دیا تھا، اسی لئے ایک ایسی فوج کے درمیان میں جہم برہم کرنے میں جو کسی اعلیٰ مقصد کے لئے جنگ نہیں کرتی تھی، ان کو کوئی وقت پیش نہیں آئی، اسی طرح یونان کا ایک مختصر گروہ تمدن کے عشق میں متوالا ہو کر اڑٹھا، اور (زرکس) اعظم کی فوج ان کے پرے کو اولٹ دیا، لیکن اگر اس کے چند ہی صدی پہلے وہ لوگ، ارومانی فوج سے دست وگریبان ہوئے ہوتے تو نتیجہ بالکل برعکس ہوتا، ان خالوں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اگر اخلاقی حیثیت سے دو مساویانہ قوتوں میں تصادم ہو تو اسی کو فتح حاصل ہوگی جس کا نظام مستحکم اصول پر قائم ہو، اسی وجہ سے کہ فرانس میں اہل عہد کا لشکر قندار کی فوج پر غالب آگیا، کیونکہ اگرچہ

دونوں فوجیں قوت اعتقاد میں سادھی یقین، لیکن پہلی فوج کا نظام نہایت عمدہ تھا،
 اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح ہمیشہ ایمان داروں ہی کو ہوتی ہے، اس میں مذہب
 اور سیاست کی تفریق نہیں، بلکہ قوت اعتقاد کا نتیجہ دونوں جگہ کیساں طور پر ظہور پذیر ہوتا ہے
 سوشیا لزم کی بنیاد اگرچہ نہایت بدترین اصول پر قائم ہے، لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مستقبل
 صرف ان کے ہاتھ میں رہے گا، تو اسکی صرف یہ وجہ ہے کہ اس زمانے میں سوشیا لست فرقہ کے
 سوا کسی گروہ کا عقیدہ پختہ اور صحیح نہیں ہے، چنانچہ اس زمانہ میں جس گروہ کے ہاتھ میں عنان
 حکومت ہے، وہ اپنی قوت یقین کو اس بیدردی کے ساتھ ضائع کر چکا ہے، کہ خود اداں برابرہ کے
 سیلاب کو بھی نہیں روک سکتا جسہر طرف سے اومند کر اوسکا محاصرہ کرنا چاہتا ہے،
 جب یہ اصول، تغیر و تبدل، جنگ و جدل، اور نشر و اشاعت کے مختلف دوروں سے
 گزر چکے ہیں، انکی آخری صورت قائم ہو چکی ہے، اور تمام قوم کی روح میں سرایت کر چکے ہیں،
 تو وہ ایک مسئلہ عقیدہ اور ناقابل انکار حقیقت بن جاتے ہیں اور اسکے ساتھ اداں عقائد عامہ کے
 ساتھ مدغم ہو جاتے ہیں، جن پر قومی زندگی کی بنیاد قائم ہوتی ہے، اور اداں کی تعلیم، اداں کو
 نہایت موثر بنادیتی ہے، تاریخی حیثیت سے آگسٹس اور لوئس چہارم کے زمانے میں ان اصول کا
 عمل تولید کل ہو چکا تھا، انکی آخری صورت قائم ہو چکی تھی بحث و مباحثہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا
 اور وہ تمام قوم کے خیالات و افکار پر چھا گئے تھے یہ اصول اسی وجہ کو پہونچ کر ریشی کے منارے کا
 قالب اختیار کر لیتے ہیں اور جو چیز انکے سامنے پڑتی ہے، انکی چمک سے جھلکا اٹھتی ہے،
 جب کوئی نیا اصول قائم ہوتا ہے، تو تمدن کی تمام چھوٹی بڑی شاخوں سے اوسکا کچھ کچھ اثر
 ضرور نمایاں ہوتا ہے، لیکن اوسکا پورا اثر اوس وقت ظاہر ہوتا ہے، جب وہ تمام قوم کی روح میں
 سرایت کر جاتا ہے، اداں کی ترتیب اس طرح شروع ہوتی ہے کہ وہ سب سے پہلے اداں بلند خیال لوگوں

دلغ سے جنھوں نے اوکو پیدا کیا ہے، اور اگر اس کے نیچے کے طبقہ میں نمایاں ہوتا ہے، پھر غالب بدلتا ہوا اس سے بھی کم درجہ کے لوگوں پر اثر کرتا ہے، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ تمام قوم بچھا جاتا ہے اب اوکی کامیابی کا دور ختم ہو جاتا ہے، اور اس حالت میں اوکو نہایت مختصر الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات، صرف ایک لفظ میں اسکی تشریح کی جاسکتی ہے، لیکن یہ لفظ اسقدر موثر ہوتا ہے کہ دلوں کو نعمتِ ہلا دیتا ہے، ترون وسطیٰ میں اس قسم کے الفاظ کی مثال کے لیے "نخت" اور "دورخ" سے بہتر لفظ نہیں مل سکتا، یہ دونوں الفاظ اگرچہ نہایت مختصر تھے، تاہم ادنیٰ میں اس قیامت کا اثر تھا، کہ ہر چیز کو متاثر کر لیتے تھے، اور سادہ دل لوگوں کے سامنے ہر چیز کی حقیقت کو واضح کر دیتے تھے، مزدوری پیشہ جماعت کے لیے اس زمانہ میں سوشیا لزم کا لفظ بھی اسی قسم کا عجیب و غریب اثر رکھتا ہے، وہ ہر جماعت کے سامنے مختلف مناظر کو پیش کر دیتا ہے، لیکن اس تاثیر کا راز صرف اونکی سادہ لوحی میں مضمر ہے، وہ ایک فریخ فلسفی کے سامنے جنت کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے، جس میں تمام لوگ مساویانہ طور پر حکومت کے زیر سایہ سعادت کا ملہ سے متنع ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں، وہ ایک جرمن مزدور کے سامنے شراب کی بھٹی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جس سے متقل دھوان اٹھتا ہے اور جس کے دروازے پر حکام ہر آنے والے کے خیر مقدم میں سونے کے گوشت کی قاب، لیکن جتنی دیر اور شیر کی بوتلیں پیش کرتے ہیں لیکن یہ ہدایت معلوم ہے، کہ یہ لوگ دولت کی مقدار اور ادنیٰ حصہ داروں کی تعداد سے بالکل ناواقف ہیں جن پر وہ مساویانہ حیثیت سے تقسیم کجائے گی، لیکن یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں، اصول کے استحکام و ثبات کا اصلی کمال یہی ہے کہ وہ ایک عام اور مخل صورت میں مرکزی فی النفس ہو جاتے ہیں، اور بحث و مباحثہ، اور شک و گمان و اعتراضات کا اوپر کوئی اثر نہیں پڑتا،

کوئی اصول جب آہستہ آہستہ اس قدر ثبات و استحکام حاصل کر لیتا ہے کہ ایک مسلمہ

عقیدہ بن جاتا ہے تو وہ مدون تک کامیاب حالت میں قائم رہتا ہی، اور اس کے متزلزل کرنے کیلئے جو دلائل قائم کئے جاتے ہیں وہ بالکل ناکامیاب ہوتے ہیں، یہ سچ ہے کہ اصول قدم کی طرح اس اصول جدید پر بھی کسی نہ کسی دن پیری کے آثار طاری ہو جاتے ہیں، لیکن جب تک اس پر تغیر و تبدل کے بہت سے دور نہ گزر جائیں، اس کے بڑھاپے کا زمانہ نہیں آتا اور تغیرات متعدد نسلوں کے بعد بطور پندیر ہوتے ہیں تاہم اس حالت فرسودگی میں بھی وہ بالکل بے اثر نہیں ہوتا جسکی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ قدیم موروثی اصول کے ساتھ مدغم ہو کر ایک مدت تک زندہ رہ چکا ہے، اور اس کے مقابل میں تمام قوم نے ان قدیم اصول کے احترام کو قائم رکھا ہی، اس بنا پر اگرچہ ہر قدیم اصول کا نام بدل جاتا ہی، اور دلائل کے اندر سے اسکی آواز باز گشت نہیں آتی، تاہم قلوب پر اسکا اثر قائم رہتا ہی، اسی طرح ہر قدیم رائے، ہر قدیم عقیدہ، اور ہر قدیم عادت ہمیشہ زندہ رہتی ہی اور ایک منٹ کے لیے بھی نکتہ چینی کی تحمل نہیں ہو سکتی، بہتر تو یہ ہے کہ اس قسم کی خطرناک بحث کبھی نہ پھیرٹی جائے اور یہ نہایت خوش قسمتی کی بات ہے کہ ہر شخص خود اس قسم کے مباحث سے الگ رہتا چاہتا ہے، کیونکہ نقد و بحث کا لکھ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہی، اور لوگ عموماً تقلید کے غلام ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا ان اصول کو صرف اسکی اشاعت یا تعلیم و تربیت کی بنا پر قبول کر لیتی ہی، اور اسی بنا پر ہر قوم اور ہر زمانے کی غالب تعداد میں ایک ہی قسم کے خیالات و افکار مشترک طور پر پائے جاتے ہیں، اور اسی اشتراک نے ان میں اس قدر مشابہت و ہم رنگی پیدا کر دی ہے کہ اگر ایک طویل زمانے کے بعد ان کے فنون لطیفہ، ان کے اخلاق و عادات، اور ان کا فلسفہ ایک شخص کے سامنے پیش کیا جائے، تو اسکو فوراً معلوم ہو جائیگا کہ ان لوگوں نے کس زمانے میں زندگی بسر کی ہے، اس مشابہت کی وجہ صرف اسلاف کی وہ تقلید ہے جو وراثت، تربیت، آب و ہوا، اور سرانجام وغیرہ کے ذریعہ سے پچھلی نسلوں نے کی ہے، یہ سچ ہے کہ پچھلی نسلیں اپنے اسلاف کی بعینہ تصویر ہیں،

ہاں خیالات و احساسات کی کیفیت میں دونوں متحد ہوتی ہیں، اور اس سے لازمی طور پر ایک ہی قسم کے نتائج پیدا ہوتے ہیں،

لیکن ہمارے لیے یہ نہایت خوشی کی بات ہے، کیونکہ قومی روح صرف تقلید، احساس اصول، عقائد، اور خیالات و تصورات کی مجموعی ترکیب ہی سے پیدا ہوتی ہے، اور اس روح کی تمام طاقتوں کا دار مدار اسی مجموعہ کی طاقت پر ہے، اور اسی کے بل پر قوم کی زندگی قائم رہتی ہے، چنانچہ جب اس میں ضعف آتا ہے تو قوم کی بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے، اسلئے وہی قوم کی حقیقی طاقت اور وہی قوم کی اصلی حکمران ہے، عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ایشیائی بادشاہ عموماً استبداد پسند ہوتے تھے اور خواہشات نفسانی کے سوا کوئی اصول نہ تھا، لیکن یہ ہوا پرستی بھی ایک ایسے دائرے میں گھری ہوئی تھی جس سے کبھی باہر نہیں نکل سکتی تھی کیونکہ جس مجموعی قوت کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ ممالک مشرقیہ میں نہایت شدت کے ساتھ پائی جاتی ہے، چنانچہ مذہبی تقلید کے اصول ہمارے بیان بالکل متزلزل ہو گئے ہیں، لیکن مشرق میں اپنے پورے استحکام کے ساتھ قائم ہیں اور ایشیاء کا سب سے بڑا استبداد پسند بادشاہ بھی اس قدم روش کو نہیں ٹھکرا سکا کیونکہ ہر ایشیائی آدمی کے اعتقاد میں یہ دونوں چیزیں بادشاہوں سے زیادہ طاقت رکھتی ہیں،

آج ہر تمدن آدمی ایک ایسے دور سے گذر رہا ہے جو تاریخی حیثیت سے ابتلا و امتحان کا

سمت ترین زمانہ ہے یہ ایک ایسا دور ہے جس میں ہمیشہ معتقدات پر بحث کی جاتی ہے، کیونکہ قدم اصول جو تمدن کا اصلی ماخذ تھے، اپنے نفوذ و قوت کو کھو چکے ہیں، اور جدید اصول کو اب تک ثبات و استحکام حاصل نہیں ہوا ہے، آج کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ دونوں پر رائے اور عادت کا کیا اثر ہوتا ہے؟ اور ان دونوں قوتوں پر حملہ کرنے کا کیا نتیجہ ہوگا؟ لیکن اگر وہ قدم تمدن کی تاریخ کا یا کم از کم آج سے دو یا تین صدی پیشتر کے واقعات کا مطالعہ کرے تو اس کو اس کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے

بعض جاہل قصہ گو لوگوں کا بیان ہے کہ یونانی بالکل آزاد تھے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، وہ سراسر
 پاؤں تک عادت اور عقیدہ کے غلام تھے، ان کے گرد معتقدات کا ایک دائرہ کھنچا ہوا تھا جس کی وہ
 پرستش کرتے تھے، اور کوئی شخص اس عام قومی روش پر کچھ چینی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا، بلکہ
 وہ سب سے بڑھ کر اس کا پرستار بننا چاہتا تھا، یونانی دنیا نے مذہبی، یا شخصی، غرض کسی قسم کی آزادی
 خواب تک نہیں دیکھا بلکہ اتنے سترے کے قواعد کی رو سے کوئی ملکی اومی جماعت سے باہر رہ کر زندگی ہی
 نہیں بسر کر سکتا تھا، اسی طرح وطنی عید کے جشن نہ کرنے کا اُسکو اختیار حاصل نہ تھا، قدیم زمانے کی آزادی
 صرف یہ تھی کہ آدمی اپنے مفتوحہ ممالک کے اصول کا غلام بن جائے، اور اس زمانے میں اگر کسی ملک کے
 باشندوں کو یہ جازت دیدی جاتی کہ وہ اپنے خیالات میں آزاد ہو جائیں، تو یہ ملک ان جماعتوں کے درمیان
 جنہیں ہمیشہ جنگ قائم رہتی ہو، ایک ن بھی محفوظ نہ ہے، اب خدا، نظام حکومت، اور مذاہب
 سب کے سب گونہ نشین ہو گئے ہیں، لیکن یہ دور اس دن سے شروع ہوا ہے جب سے ان چیزوں
 میں آزادانہ بحث جائز سمجھی گئی ہے، لیکن اس زمانے کے تمدن نے تقریباً ان تمام اصول کو فنا کر دیا ہے
 جن سے عادت اور عقیدہ کو مدد ملتی تھی اسلئے اُنکا اثر بالکل زائل ہو گیا ہے، اور وہ فرسودگی کے اُس دور سے
 گذرے ہیں جس میں اُصول قدیمہ کی حقیقت اور اہم سے زیادہ نہیں خیال کی جاتی، اور اب جب تک ان اُصول کی
 جگہ جدید اُصول نہ قائم ہو جائیں، خیالات میں طوائف الملوک قائم رہیں گی، لیکن اس طوائف الملوک کو
 یہ فضیلت حاصل ہے، کہ وہ بحث و مناظرہ کی متحمل ہو سکتی ہے، اس بنا پر ہر انشا پر دوازہ فلسفی، اور ہر غور و فکر
 کرنے والے دماغ کو شکر گزار ہی کے ساتھ اس دور سے سرعت کے ساتھ فائدہ اٹھانا چاہیے، کیونکہ جب وہ
 گذر جائیگا تو پھر دوبارہ واپس نہ آئیگا، اس دور کو اگرچہ انحطاط و تنزل کا دور خیال کیا جاتا ہے تاہم ہم
 عقل کو کامل آزادی سے فائدہ اٹھانے کا موقع حاصل ہے، اسلئے وہ بہت رون تک قائم
 نہیں رہ سکتا، کیونکہ تمدن جدید کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپین قومیں ایسے دور کی طرف

قدیم بڑا رہی ہیں، جو بحث، اور مباحثہ، اور حریت و آزادی کا متحمل نہیں ہو سکتا جسکی وجہ یہ ہے کہ کوئی جدید مذہب اسوقت تک استحکام نہیں حاصل کر سکتا جب تک اوسمین نقد و بحث کا سد باب نہ ہو جائے، اور قدیم مذاہب کی طرح وہ معارضہ کا متحمل نہ ہو سکے، اس زمانے میں انسان ان اصول پر ہمیشہ بحث کرتا ہے جن کے آئینہ تمدن کی بنیاد رکھی جائیگی، لیکن یہ نہایت خطرناک چیز ہے کیونکہ قومی زندگی پر سب سے زیادہ اساسی اصول کے تغیر و تبدل کا اثر پڑتا ہے، شوشرائے جنگ بہت زیادہ موثر چیز نہیں، اون کی پیدا کی ہوئی خرابیوں کی اصلاح ہو سکتی ہے لیکن ان اصول کے بدلنے سے تمام تمدنی شاخوں میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے، اسلئے جس شوشر سے تمام قوموں کی زندگی معرض خطر میں پڑ جائیگی، وہ صرف وہ شوشر ہے، جو خیالات و افکار میں پیدا ہوگی،

اگر ایک قوم کسی جدید اصول کو اختیار کرتی ہے، تو یہ کوئی خطرناک بات نہیں، اصل خطرہ اوس حالت میں پیدا ہوتا ہے، جب قوم ایک اصول کو چھوڑ کر دوسرے اصول کو اختیار کرنا چاہتی ہے، کیونکہ جب تک وہ نئی عمارت کی بنیاد قائم نہیں کر لیتی یہ خطرہ باقی رہتا ہے، یہ بھی کوئی خطرناک بات نہیں کہ وہ اصول بجائے خود صحیح نہیں، آج تک ہم نے جن مذہبی خیالات کے ساتھ زندگی بسر کی ہے، وہ بھی غلط تھے خطرہ اون متعدد تجربوں میں ہے، جو قوم کی حالت اور ان اصول کی موزونیت دریافت کرنے کے لئے لازمی طور پر کرنے پڑتے ہیں، کیونکہ جب تک متواتر تجربے نہ کر لئے جائیں، قوم کو ان اصول کے فوائد کا حال معلوم نہیں ہو سکتا، موجودہ اشتراکیت (سوشیالزم) قوم کو انحطاط کے جس غار اور استبداد کے جن مناظر شنیع کی طرف لے جاتی ہے قوم کو اس سے ہوشیار کرنے کے لئے اگر علم النفس و علم الاقتصاد کی کامل مہارت ضروری نہیں ہے، تو اُسکو اس انجیل جدید (اشتراکیت) کے قبول کرنے سے کیونکر روکا جاسکتا ہے؟

تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ جس زمانے میں لوگ کسی عقیدہ کے قبول کرنے کے لئے تیار

نہیں ہوتے، اس میں اسکی دعوت کا کیا انجام ہوتا ہے؟ لیکن انسان تاریخ سے عبرت نہیں حاصل کر سکتا، شارلمان نے رومن سلطنت کو دوبارہ زندہ کرنا چاہا، لیکن چونکہ اتحاد کا اصول آسانی کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتا تھا، اسلئے اسکی کوششیں بیکار ہو گئیں، پپولین کی جدوجہد کا بھی یہی انجام ہوا، فیلب ثانی نے اپنی تمام ذہانت، اسپین کی پوری طاقت، اور اپنے عالمگیر شر کو اس کی آزادانہ بحث کے مقابلہ میں جو پرنٹسٹ کے نام سے تمام یورپ میں پھیل رہی تھی صرف کر دیا لیکن بالآخر اسکو بھی ناکامی ہوئی اور اس جنگ نے اسپین کو اسقدر برباد کیا کہ پھر دوبارہ سنبھل سکا ہائے زمانے میں بھی ایک دوا الہوس سر پر تاج پہن کر اڑتا تھا، اور اپنے عام قومی احساس کے قبضہ سے ایک دہی اصول کی دعوت دی یعنی متحدہ انجمن قوموں میں اتحاد پیدا کرنا چاہا، اسکا نتیجہ ہوا کہ جرمنی اور اٹلی میں یہ اتحاد پیدا ہو گیا اور یہ دونوں ملک ہائے قبضہ سے کل کر ایک زمانہ دراز کے لئے ہم سے علیحدہ ہو گئے، تمام قومیں ایک بدترین مذہب کے جال میں گرفتار ہو گئی ہیں، اور انھوں نے فوجوں کی تعداد میں اضافہ کر کے، براعظم یورپ میں مسلح پاسا بون کی ایک قطار کھڑی کر دی ہے لیکن اسکا نتیجہ فلاس کے سوا اور کیا ہو گا؟ اور اگر بالفرض اس فوج گران نے اپنی دولت اتحاد، اور قوت کا کچھ حصہ محفوظ بھی رکھا تو اشتراکیت (سوشیالزم) جو شخصی حکومتوں کو ٹاکرائی جگہ ایک عام قومی حکومت کرنا چاہتی ہے، اسکو ایک نہ ایک دن ضرور فنا کر دیگی،

قوموں پر جن اصول کا اثر پڑتا ہے ان میں سب سے زیادہ قومی اصول قومیت کا ہے، قدیم سیاست دان اسکو نہایت اہم سمجھتے تھے اور اسکو سیاست کا محور قرار دیتے تھے لیکن اسکا نتیجہ کچھ اچھا نہیں ہوا، کیونکہ یورپ نے اسکے مستحکم کرنے کیلئے جو کوششیں کیں، انکی وجہ سے نہایت خطرناک جنگ میں مبتلا ہو گیا، اور اسکو فعل میں ہتھیار رکھکرات بسر کرنی پڑی ہیں اصول کی حمایت میں جو جدوجہد جاری تھی اسکا سبب صرف یہ خیال تھا کہ قوموں کی تعداد

وعظمت میں جس قدر اضافہ ہوتا ہو، اسی قدر وہ خطرات سے محفوظ رہتی ہیں، حالانکہ اس قسم کی
 قومن نہایت آسانی کے ساتھ مفتوح ہو سکتی ہیں، اور اب تو یہ بالکل ثابت ہو گیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی
 قومیں تمام بلاؤں سے محفوظ رہتی ہیں، چنانچہ اسکے ثبوت میں پرتگال، یونان، سوئٹزرلینڈ، مجسم
 سویڈن، اور ریاستہائے بنگال کو پیش کیا جاسکتا ہے، اسی اتحاد نے اٹلی کو بالکل تباہ کر دیا، اس
 اتحاد سے اگرچہ اسکے تمام صوبوں کی آمدنی دو گنی ہو گئی، تاہم منجست افلاس میں مبتلا ہو گئی
 اور قریب تھا کہ وہاں شورش برپا ہو جائے، حالانکہ اتحاد کے پہلے اگرچہ ادسکی آمدنی صرف ۵۰
 ملین تھی لیکن تمام ملک سرسبز اور خوشحال تھا، لیکن خیالات کا سیلاب جب دونوں سے مگر جاتا ہے،
 تو اوسکو کون روک سکتا ہے؟ وہ اپنا دور پورا کر کے رہے گا، اور ادس کی تائید وہ لوگ کرینگے
 جن کے لیے تقدیر نے سب سے پہلے اوسکی قربان گاہ پر چڑھانے کا فیصلہ کیا ہے، جس طرح کبریٰ اپنے چر داہنے کے
 پیچھے پیچھے مذبح کی طرف نہایت اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ چلی جاتی ہے، اسی طرح ہم کو بھی
 اصول کے سامنے تسلیم خم کر دینا چاہیے، کیونکہ اصول اپنے دور انقلاب میں جب ایک خاص
 نقطہ پر پہنچ جاتے ہیں تو اوسکے مقابلہ میں دلیل بالکل بیکار ہو جاتی ہے، اور قوت بیانیہ ادن پر
 غالب نہیں آ سکتی، اگر کسی اصول نے کسی قوم کے دل پر تسلط حاصل کر لیا ہے تو وہ اوکلی پابندیوں سے
 صرف دو طریقوں سے آزاد ہو سکتی ہے، یا تو ایک طویل زمانہ گزر جائے، یا کوئی شورش برپا
 ہو، اور کبھی کبھی تو ان دونوں کی ضرورت ہوتی ہے، دنیا میں کتنے ادبام ہیں، جسکے ادب و احترام
 کو انسان اپنے اوپر فرض کر لیتا ہے، پھر خود ادن کے پردے کو چاک کر دیتا ہے؟

دوسری فصل

انقلاب تمدن پر مذہبی عقائد کا اثر

مذہبی عقائد کے اثر کی اہمیت، مذہبی عقائد ہمیشہ قوموں کی زندگی کا جزو اعظم تھے، اکثر تاریخی واقعات نظام حکومت، اور نظام تمدن، مذہبی اصول سے ماخوذ ہیں، ہر جدید مذہبی اصول کے ساتھ ایک نیا تمدن لازمی طور پر پیدا ہو جاتا ہے، مذہبی خیال کی قوت، مذہب کا اثر اخلاق پر، مذہب تمام ملکات، کو متحد المقصد بنادیتا ہے، ہر قوم کی سیاست، صنعت و حرفت، اور اخلاق کی تاریخ اس کے مذہبی عقائد سے پیدا ہوتی ہے، مذہبی عقائد کا ادنیٰ تغیر بھی قومی زندگی میں عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیتا ہے، اسکی مختلف مثالیں،

تاریخ کا منارہ، تمدن کا ستون، قوموں کی زندگی کا اہم اصول، اگر کوئی چیز ہے، تو وہ صرف مذہبی اصول ہیں، اس بنا پر ہم اوپر ایک مستقل فصل میں بحث کرتے ہیں، مذہبی اصول ہمیشہ قوموں کی زندگی کا نہایت اہم عنصر، اور تاریخ کا نہایت نمایاں جزو تھے، چنانچہ تاریخ کے عظیم الشان واقعات نے جو عظیم الشان نتائج پیدا کیے، ان میں مذاہب کے بننے اور بگڑنے کا نتیجہ سب سے زیادہ اہم ہے، اور گزشتہ اور موجودہ زمانے میں جو اساسی مسائل قرار دیئے گئے ان میں پہلا اساسی مسئلہ یہی مذہب تھا، اگر انسانیت اپنے معبود کی موت پر راضی نہ تھی تو آغاز تمدن سے جو واقعات ظہور پذیر ہوئے، ان میں یہ واقعہ سب سے زیادہ عظیم الشان ہوتا، ہم کو یہ بھولنا نہ چاہیے کہ تاریخ کے ابتدائی زمانے سے آج تک ہر نظام حکومت اور ہر نظام تمدن کا سنگ بنیاد مذہبی عقائد کی سطح پر رکھا گیا ہے، یہی معبود ہیں جنہوں نے انسانی زندگی کا سب سے

بڑا دور تغفل کیا ہو، مذہب اس سرعت کے ساتھ اخلاق پر اثر ڈالتا ہو، کہ اس معاملہ میں عشق کے
سوا کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، لیکن آخر عشق بھی تو ایک مذہب ہی ہے، یہ دوسری بات ہے
کہ وہ شخصی مذہب ہو اسلئے ہمیشہ قائم نہیں رہتا، اگر تم اس قوم کی حالت کا اندازہ کرنا چاہتے ہو جو
صرف احساس خیال سے متاثر ہو کر بھڑکے، تو تم کو فتوحات عرب کو صلیبی لڑائیوں کو، اندلس کی ظلم
آرائیوں کو، پریٹن کے زمانے میں انگلستان کی حالت کو، فرانس میں سینٹ بارتھولمیو کو، اور شورش فرانس
کی ہرزائی کو پیش نظر رکھنا چاہئے،

ادام کے اندر ایک ایسا موثر جادو چھپا ہوا ہے جو مزاج عقلی کو بالکل بدل دیتا ہے، انسان نے
خود اپنے معبودوں کو پیدا کیا، لیکن چند ہی دنوں میں ان معبودوں نے اس کو اپنا غلام بنالیا، مذہب
خوف سے نہیں بلکہ امید سے پیدا ہوا ہے، اسلئے اس کا اثر دائمی ہوتا ہے، یہ مذہب ہی کا اثر ہے کہ اس نے
انسان کی عقل کے سامنے سعادت کا دروازہ کھول دیا ہے اور اس بنا پر تمام موثرات سے ممتاز
ہو گیا ہے، اور فلسفہ اس منزل سے اب تک کو سون دور ہے،

ہر تمدن، ہر فلسفہ اور ہر مذہب کی غایت یا کم از کم اس کا نتیجہ، اور مخصوص حالات تفسیر کا
پیدا کرنا ہے، جن میں بعض اگرچہ ایہ سعادت ہوتے ہیں، اور بعض نہیں ہوتے، تاہم خارجی حالات
زیادہ سعادت کا دار انداز ہی حالات نفسیہ پر بہت سی قربانیاں آگ کے اوپر اپنے قاتلوں
سے زیادہ سعادت اندوز ہوتی ہیں، اور بہت سے وہ کاشتکار جو اپنے ہاتھ سے ہل جوت کر

PARITON اگر برسی فرڈریشٹ کی شیخ یوگ باطل زادہ خشک ہوتے ہیں، عیسائی و یہودیوں کے حرام جلتے ہیں، ہر بات
میں سچ کی زندگی کی تقلید کو واجب سمجھتے ہیں۔ SAINT BARTHOLOMEW مسیحیوں کے یہاں بہت مقدس شہید
سمجھے جاتے ہیں، ۲۴ اگست ۱۵۷۲ء کو جو ان کے سالانہ فاتحہ کا دن تھا چارلس نهم شاہ فرانس نے فرڈریشٹ پر نظام شروع
کیے، جکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف مغربیوں کی تعداد اختلاط روایات ۳۰۰۰۰ سے لیکر ۶۰۰۰۰ تک پہنچتی ہے،

روٹی کے ایک ٹکڑے پر قناعت کر لیتے ہیں، ایک دولت مند امیر سے جس کو انکار نہ گھیر لیا ہے، خوش قسمت ہوتے ہیں،

یہ ایک نہایت افسوسناک بات ہے کہ تمدن جدید نے انسانی ضروریات کو غیر معمولی طور پر وسیع کر دیا ہے، اور اسکے پورے کرنے کے بہت کم اسباب مہیا کیے ہیں، اسلئے دلوں سے رضا و تسلیم کا مادہ بالکل زائل ہو گیا ہے، کہا جاتا ہے کہ تمدن جدید ترقی کا فرزند رشید ہے، لیکن حقیقت وہ اشتراکیت (سوشیالزم)، اور انارکزم کی مان ہے، جن لوگوں نے ایمان کی قوت کو کھو دیا ہے، اور یا مسحران نے اون کے قلوب کا احاطہ کر لیا ہے، وہ انہی دونوں الفاظ کا نعرہ بلند کرتے رہتے ہیں کیا ایک یورپین جو ایک دائمی اضطراب میں مبتلا رہتا ہے جس کے اعصاب مانع ترزل ہو گئے ہیں، جو اپنی تقدیر پر قانع نہیں ہے، اس مشرقی آدمی کا مقابلہ کر سکتا ہے جو راضی برضائے آسمانی ہے؟ ان دونوں کے درمیان روحانی حالت کے سوا اور کسی چیز میں فرق نہیں ہے، تو مومن کو صرف وہی شخص بدل سکتا ہے جو اسکے خیالات کو بدل کر اسکے عقائد و اعمال میں انقلاب پیدا کر دیتا ہے، اس وقت سوسائٹی کا سبب بڑا ذوق ہے کہ ایسی کیفیات نفسیہ کے پیدا کرنے کی کوشش کرے جن کی وجہ سے ہر فرد سعادت مند ہو جائے ورنہ تو مومن کی زندگی کا عنقریب خاتمہ ہونے والا ہے، دنیا میں آج تک جو قومیں ابھریں اور ان کا دار مدار صرف اور ان خیالات پر تھا جنکے اندر دلوں کے جذب کشش کی قوت مضمر تھی، اور ان میں جو قوم ابھر کر بیٹھ گئی اُس کا سبب صرف انہی خیالات کی قوت کا زوال تھا، اس زمانے کا سبب سے غلط خیال یہ ہے کہ انسان کی سعادت صرف خارجی اشیاء کے اندر ہے، لیکن یہ کسی کو نہیں سوچتا کہ وہ خود ہمارے اندر پنہان ہے، ہمیں اس کو پیدا کرتے ہیں، اور وہ بہت کم ہم سے الگ رہتی ہے، ہم نے قدیم خیالات کی بنیاد ڈھا دی ہے، اسلئے ہم کو نظر آتا ہے کہ اس خیال کے بعد ہماری زندگی فنا ہو جائیگی، اور اگر ہم نے اسکے عوض کوئی دوسرا اعتقاد قائم نہ کیا تو ہم برباد ہو جائیں گے،

نوع انسان کے سب سے بڑے عمن جنگی یادگار میں تمام قوموں کو زرخالص کا مجسمہ قائم کرنا چاہیے۔ وہ سحر آفرین لوگ ہیں جنھوں نے قوموں کے لیے خیالات پیدا کیے ہیں، یہ لوگ اگر کچھ بھی سمجھتے ہیں انسانی بین نمایاں ہو جایا کرتے ہیں لیکن عموماً بہت کم پیدا ہوتے ہیں، انہی بزرگوں نے اُمید ہائے فانی کے سامنے جن کے سوا انسان کسی دوسری حقیقت کو نہیں جان سکتا، اور اس غیر متحرک ترش رو دنیا کے آگے، پر زور خیالات کا ایک پردہ نورانی قائم کیا، انسانیت کی حقیقی تفسیر کی، اور خارزار زندگی کے تمام کانٹوں کو ہٹا کر انسان کے لیے جنت کا راستہ صاف کر دیا، جس کے ساتھ تمام اُمیدین وابستہ ہیں،

اگر ہم سیاسی حیثیت سے بھی نگاہ ڈالیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ مذہبی عقائد کا اثر کس قدر شدید ہے؟ مذہب کی عظیم نشان قوت کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ ایک زمانے میں قوم کے فوائد قوم کے احساسات اور قوم کے خیالات کو متحد کر دیتا ہے، اس لیے وہ ادن تمام عناصر کا جن سے قومی روح پیدا ہوتی ہے، دفعۃً قائم مقام ہو جاتا ہے، یہ سچ ہے کہ مذہبی قوت کے استیلا سے قوم کا مزاج عقلی نہیں بدل جاتا تاہم تمام قوموں کا رخ صرف ایک مقصد کی طرف ہو جاتا ہے، یعنی تمام طاقتیں اس جدید مذہب کی حمایت میں کھڑی ہو جاتی ہیں، اور مذہب کی عظیم نشان طاقت کارزار اسی اصول کے اندر مضمر ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کی جن قوموں نے کارہائے نمایاں کیے ہیں، اسی قسم کے مذہبی انقلاب کے زمانے میں کیے ہیں، اور دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کی تاسیس اسی دور انقلاب میں ہوئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الہامی خیالات نے اسی طریقہ سے قبائل عرب میں اتحاد پیدا کیا، اور ادن لوگوں نے تمام قوموں کو زیر و بر کر کے عظیم نشان سلطنت قائم کر لی نفس اعتقاد کوئی چیز نہیں ہے، اصلی چیز وہ قوت ہے جو عقائد کو دل میں مرکوز کر دیتی ہے، ایک وحشی سے وحشی دیوتا کی طرف بھی اگر لوگوں کو دعوت دی جائے تو وہ بھی اسی طرح موثر ہو سکتی ہے۔

بلکہ اکثر سنگدل و استبداد پسند معبودوں کے اثر و نفوذ نے بھی نہایت وسعت حاصل کر لی ہے، کیونکہ جو معبود غیر مقصد اور نرم خو ہوتے ہیں، ان کے پرستاروں کے عزم و ارادہ میں شدت و صلابت نہیں ہوتی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع صرف آپ کے تشدد کی وجہ سے تمام دنیا پر چھا گئے، اور دنیا کے ایک بڑے حصے پر ایک مدت تک اُن کا تسلط، اور رعب قائم رہا لیکن ساکن القلب بودھا کی امت نے کوئی کار نمایاں نہیں کیا، اور تاریخ نے اُن کو بالکل فراموش کر دیا،

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ تو مومن کی سیاست میں ہمیشہ مذہب نے نمایاں حصہ لیا ہے، کیونکہ صرف وہی ایک ایسی قوت ہے جو نہایت سرعت کے ساتھ نظام اخلاق کو متاثر کر لیتی ہے، یہ سچ ہے کہ یہ معبود ہمیشہ باقی نہیں رہتے، لیکن مذہب ہمیشہ قائم رہتا ہے، اسی مذہبی قوت کی بدولت فرانس نے جب ایک صدی تک تمام یورپ کا مقابلہ کیا تو دنیا نے دوبارہ مذہبی عقائد کے اثر کا اعتراف کیا، کیونکہ جو خیالات اس زمانے میں دلوں پر محیط ہو گئے تھے، انہوں نے بھی حقیقت ایک جدید مذہب کی صورت اختیار کر لی تھی جس نے قوم کے قالب میں اپنی روح پھونک کر اوسکو دفعتاً ابھار دیا تھا لیکن جو معبود ان خیالات کے پر دون سے نمایاں ہوئے، اُن کا قالب نہایت لطیف تھا، اسلئے چند ہی دنوں تک قائم رہ سکے تاہم کم از کم اُنکی زندگی تک اُن کا اثر شدید و عام رہا،

اگرچہ قومی روح کے انقلاب پر مذہب کو جھکنا حاصل ہے وہ لازوال اور غیر فانی ہے تاہم اوسکی اصلی طاقت اتنی مدت تک قائم نہیں رہتی کہ نظام اخلاق کو بالکل بدلے، کیونکہ خواب و خیال کی یہ قوت روز بروز ضعیف ہوتی جاتی ہے، اور جو لوگ ادس کے نشے میں چور

ہے تشدد نہیں بلکہ عزم و استقلال، استبداد نہیں بلکہ مہوریت، نصب نہیں بلکہ حق کی حمایت،

آہستہ آہستہ بیدار ہوتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ مذہب بھی اپنے انتہائی زمانے میں اوس رنگ میں نمودار ہوتا ہے، جس میں قوم نے اوسکو شرابور کر دیا ہے، اگر انگلستان، اسپین، اور فرانس کے اول تمام فرقوں پر نظر ڈالی جائے، ہوا ایک ہی مذہب میں پیدا ہو گئے تھے تو نظر آئے گا کہ اسپین میں پروٹسٹنٹ مذہب قائم ہی نہیں ہو سکتا تھا، اور انگلستان محکمہ احتساب (مجلس نمونیشن) کے قائم کرنے کی اجازت ہی نہیں دے سکتا تھا، بلکہ اگر خود پروٹسٹنٹ مذہب کی پابند قوموں کی حالت پر بھی غور کیا جائے تو اوں کے اساسی اخلاق بھی علانیہ نمایاں ہو جائیں گے، اور معلوم ہو جائیگا کہ باوجود اس مذہب کی شفیقلی کے ادنیوں نے اپنے مزاج عقلی کی امتیازی خصوصیات یعنی استقلال، عزم، تدبیر اور خود داری کو قائم رکھا ہے، اور ہوا پرست بادشاہوں کی دلیل طاقت پذیریری کو ٹھوکر لگا دی ہے،

ہر قوم کی سیاسی، اخلاقی، اور صنعتی تاریخ اگرچہ اوسکے مذہب سے پیدا ہوتی ہے لیکن جس طرح مذہب نظام اخلاق پر اثر ڈالتا ہے، اوسی طرح خود نظام اخلاق سے متاثر بھی ہوتا ہے اس بنا پر ہر قوم کی زندگی کے رکن اعظم صرف دو ہیں، مذہب اور اخلاق، لیکن ہر قوم کا نظام اخلاق اپنے اصلی اوصاف کے لحاظ سے ہمیشہ قائم رہتا ہے، اور اسی خصوصیت نے ہر قوم کی تاریخ کو متحد اور جامع و مانع بنا دیا ہے مگر مذہب اپنے اندر تغیر پذیری کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اسی تغیر کی بنا پر قوموں کی تاریخ میں بہت سے انقلابات کی سرگزشت نظر آتی ہے،

معمولی مذہبی تغیر بھی متصل و متواتر انقلابات کا پیش خیمہ ہوتا ہے جنہ گزشتہ فصل میں بیان کیا ہے کہ اٹھارھویں صدی کے فریج، سترھویں صدی کے فریج لوگون سے بالکل مختلف ہیں، اسکی وجہ صرف یہی ہے، کہ سترھویں صدی کی عقل اٹھارھویں صدی میں علم لاہو سے اور ترکیبی دنیا میں آگئی اور تقلید کا مقابلہ استدلال سے اور نقل کا مقابلہ عقل سے ہو گیا، اس بنا پر

صرف خیالات کے ان تغیرات نے دونوں زرائع میں نمایان فرق پیدا کر دیا، اگر ہم زیادہ تحقیق کریں تو ثابت ہوگا کہ شورشِ فرانس، اور اس کے بعد کے واقعات جو آئندہ بھی ہمیشہ ظہور پذیر ہوتے رہیں گے صرف عقائد کے انقلاب کا نتیجہ تھے،

آج قدیم قومیں رو بہ تنزل ہیں، اور ایسے ضعف سے کانپ رہی ہیں اور نئے نظام کا ہر ستون پے درپے گر رہا ہے، لیکن اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنی قوتِ ایمان کو جس پر اسنے وجود کا دار مدار تھا آہستہ آہستہ کھوٹی جاتی ہیں، اور جس دن اس قوت کا کل سرمایہ ضائع ہو جائیگا، اور ان کی جگہ ایک جدید تمدن لے لیگا، جو جدید عقائد پر مبنی ہوگا کیونکہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے، کہ جب قوموں کے معبود پر دہ خفایں چھپ جاتے ہیں تو وہ بہت دنوں تک زندہ نہیں رہتے، اور جو تمدن ان معبودوں کے ساتھ آیا تھا وہ بھی اور ان کے ساتھ رخصت ہو جاتا ہے، اس بنا پر ہر قوم کو ہوشیاری کے ساتھ یقین کر لینا چاہیے کہ مرنے والے معبودوں سے زیادہ کوئی چیز برباد کرنے والی نہیں ہے،



تیسری فصل

اکابران قوم کا درجہ قوموں کی تاریخ میں

قوموں کی عظیم الشان ترقیان صرف بلند خیال لوگوں کے ہاتھ سے انجام پذیر ہوتی ہیں، انکے درجہ کی حقیقت، وہ قوم کی تمام مجموعی کوششوں کا موقع ہوتے ہیں چند مثالیں جو عظیم الشان اکتشافات سے اخذ ہیں، اکابر رجال کا درجہ سیاست میں، وہ قوم کے غالب خیال کا مرکز ہوتے ہیں، اہل فریب بزرگوں کا اثر بڑے بڑے حقیقین قوم کے تمدن کو بدل دیتے ہیں متعصب و راہلہ فریب بزرگ تاریخ کے موجد ہیں،

قوموں کی تقسیم، اور انکے ابھی امتیازات کے سلسلہ بحث میں یہ ثابت ہو گیا کہ مغرب مشرق میں صرف یہ فرق ہے کہ مغرب میں ترقی یافتہ اکابران قوم کا ایک گروہ موجود ہے، جس سے مشرقی ترقی کا میدان بالکل خالی ہے، اس فصل میں ہم اسی گروہ کی حیثیت کو نمایاں کرنا چاہتے ہیں، یہی ممتاز گروہ ہے جو قوم کی تمام طاقتوں کا مرکز ہے اور اگر ہم اسکو نسل انسانی کے سلسلہ سے خارج کر دیں، تو وہ نہ قوم کی عقلی سطح کا ارتفاع تبدیل پستی ہو جائے گا، علوم و فنون صنعت و حرفت، غرض تمام تمدنی ترقیان اسی گروہ کی ممنون احسان ہیں، اور تاریخی متساویز سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم ان تمام چیزوں میں اس کے قرضدار ہیں،

اگرچہ تمام قوم ان ترقیوں سے یکساں طور پر فائدہ اٹھاتی ہے اور اگرچہ نوع انسانی کا یہ گل سرسید انھیں کے درمیان خشکفہ ہوتا ہے، تاہم قوم اسکی پوری قدر دانی نہیں کرتی یہی وجہ ہے کہ اکثر بڑے بڑے لوگ خود اپنی قوم کے غیظ و غضب کا شکار ہو گئے، اور قوم کو اس کا احساس

بھی نہ ہوا کہ گذشتہ نسلوں کے پودوں نے انہی ترقی یافتہ دامخون کی بدولت نشوونما پائی تھی لیکن
حقیقت قوم کا سرمایہ نازہین، اور ان میں چھوٹے سے چھوٹا فرد بھی ہمارے لیے مایہ عز و افتخار
ہے، کیونکہ یہ لوگ اتفاقی طور پر یا معجزانہ طاقت سے پیدا نہیں ہوئے ہیں، بلکہ وہ زمانہ گذشتہ کی
طویل گردشوں کا نتیجہ ہیں انہی کے غالب میں اوئی قوم اور ان کے زمانے کی عظمت نمایاں ہوتی ہے
اور ہر وہ چیز جس سے اوئی کو ششونگی کلیاں کھلتی ہیں ترقی کی اشاعت کا سبب ہوتی ہے،
اس لیے اگر ہم مساوات عامہ کے خواب پر نشان کو جس نے ہماری آنکھوں پر پرے ڈال دیے ہیں،
بھلا دیں، تو ہمیں سب سے پہلے ان لوگوں پر قربان ہونے کے لیے تیار نظر آئیں گے مساوات
عامہ حقیقت بہت درجہ کے طبقوں میں پائی جاتی ہے، اور عقلی فکر نگاہ سے اگرچہ ہمیشہ اس کا
خواب دیکھا کرتے ہیں، لیکن ان کا خواب ان کی سب سے بڑی بختی ہے،

اس خواب کی تعبیر صرف وحشی قوموں پر صادق آسکتی ہے، ترقی یافتہ قوموں کے افراد میں
صرف اُس وقت مساوات پیدا ہو سکتی ہے، جب طبقہ اعلیٰ لوگوں کو بہت درجہ کے طبقوں کے
برابر کر دیا جائے،

لیکن غلطاء رجال کی قدر و منزلت صرف تمدنی ترقی تک محدود نہیں ہے، بلکہ
اس کا انحصار تمام تر اس حقیقت میں ہے کہ وہ تمام قوم کی مجموعی کوششوں کا منظر ہیں، ان
محققین کی تحقیقات بہت سی گذشتہ تحقیقاتوں کا نتیجہ ہے، اور وہ صرف انہی تھروں کو عمارت میں
لگاتے ہیں جہاں نقشہ ہمارے اسلاف نے مدتوں میں طیار کیا تھا، لیکن تمام مورخین کا فطری مذاق شاید
کی تفصیل بیان کرنا ہی، اس لیے وہ ہر ایجاد کو کسی نہ کسی نام کی طرف ضرور منسوب کرتے ہیں، حالانکہ
تمام بڑی بڑی ایجادیں جنہوں نے کرہ ارضی کی ہیئت کو بدل دیا، کسی خاص شخص کی طرف
منسوب نہیں کی جاسکتیں، مطیع، بارود، آئینہ، اور تار کے موجودوں کا نام کس کو معلوم ہے؟ اس پر

جو شخص ان ایجادات کی تاریخ کا غور سے مطالعہ کر گیا، اسکو معلوم ہوگا کہ وہ درحقیقت بہت سی گذشتہ
 ویاخ پاشیوں کا نتیجہ ہیں، اور اخیر موجد اس عمارت کا صرف ایک بلند کنگرہ ہے،

چنانچہ سب سے پہلے گلیلی نے یہ دریافت کیا تھا کہ اگر ایک قندیل نضامین معلق کی جائے
 تو اس کے نور کا توج مساوی حرکت کے ساتھ نمایاں ہوگا، کرومٹر نے اسی سے گھڑیوں کی ایجاد کا
 خیال پیدا کیا، اور ملاحتون نے سطح آب پر راہ دکھانے کا آلہ، اسی سے ایجاد کیا، توپوں کی بارود
 یونانی آگ سے رفتہ رفتہ ایجاد ہوئی اور آلات بخاریہ کی اختراع متعدد متب گینز کو ششون کا نتیجہ ہے
 دنیا میں دفعتہ کوئی چیز وجود میں آہی نہیں سکتی، اگر ایک یونانی ارشمیدس سے سو گنا زیادہ عقل رکھتا
 تب بھی وہ دفعتہ ریلوے ٹرین نہیں بنا سکتا، اور اگر وہ اسکو طیار بھی کرے تو اسکو چلانہیں سکتا
 کیونکہ اس کے جاری کرنے کے لیے علم آلات سازی (میکانک) کے اس قدر ترقی کی ضرورت ہے،
 جو آج اسکو دو ہزار برس کے بعد حاصل ہوئی ہے

عام خیال یہ ہے کہ بائیان سیاست کو زمانہ گذشتہ کے تاریخی سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے،
 لیکن درحقیقت وہ بھی موجدین اور مخترعین کی طرح دور ماضی کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں
 لیکن پہلے کو سن، اور کارلائل جیسے انشا پردازوں کی آنکھوں کو ان مدبرین کے انقلاب
 انگیز کارناموں نے بالکل خیرہ کر دیا، اسلئے انھوں نے ان کو خدا بنا دیا جو تنہا دنیا پر حکومت کرتا ہے
 اس میں شبہ نہیں کہ یہ لوگ قوم کی انقلابی حالت میں تغیر و تبدل پیدا کرنے کی پوری قدرت رکھتے
 ہیں، لیکن صرف یہ قدرت اونکی زندگی کی تدریجی رفتار کو نہیں بدل سکتی، یہاں تک کہ کرا مول
 اور نپولین جیسے اولوالعزم لوگ بھی اس محرکہ سے عہدہ برائ نہیں ہو سکتے بہت سے فاتح، شہر و ملک
 لوہے اور آگ سے منہدم کر سکتے ہیں، آدمیوں کو ہلاک کر سکتے ہیں، ملکوں کو برباد کر سکتے ہیں، لیکن

اسے ہیئت جدیدہ کا بانی و موجد نہ ہاں، بلکہ اسے اقلیدس و ہندسہ کا موجد نہ کہ جبرتی کا مشہور فلسفی (نظریہ ۱۸۳۸ء)

ہم کو اس قوت تخریب کے مخالفین میں اگر ادنیٰ اصلی حیثیت کے اندازہ کرنے میں غلطی نہیں کرنی چاہیے۔
 کیونکہ جب تک ادنیٰ قوت ضرورت زمانہ کے قالب میں ڈھل نہ جائے، کھانکائی اثر قائم نہیں
 ہو سکتا، اس بنا پر ادنیٰ کامیابی کا حقیقی سبب ادنیٰ وجود سے مدون بیشتر موجود رہتا ہے، قیصر نے
 روم میں اور روشونے فرانس میں اسی طریقہ پر کامیابی حاصل کی اور اگر ادنیٰ زمانے سے دو تین
 صدی پیشتر اسی درجہ کے وادی پیدا ہوتے تو ایک روم کی عظیم الشان جمہوریت کو کسی
 استبداد پسند فرمانروا کے ارادہ کا تابع نہیں کر سکتا، اور دوسرا فرانسیسی اتحاد کے قائم کرنے میں
 کامیاب نہیں ہو سکتا، اس لحاظ سے صرف مدبران سیاست ہی وہ لوگ ہیں جو قوم کی قریب تر
 آنے والی ضرورتوں کو شخص کرتے ہیں اور ان واقعات کو عالم ظہور میں لاتے ہیں جسکے اسباب
 معدہ کو زمانہ پہلے سے مہیا کر چکا تھا اور قوم کو وہ راستہ دکھاتے ہیں جس پر اسکو چلنا چاہیے، یہ
 ممکن ہے کہ تمام قوم کو وہ راستہ پہلے سے معلوم نہ ہو لیکن تقدیر نے قومی انقلاب کے جو اسباب
 جمع کر دیئے ہیں، وہ قوم کو جبراً اس شاہراہ پر ڈال ہی دیتے ہیں، ان اسباب کی بنا پر حقیقت
 بانیان سیاست بھی موجدین اور مخترعین کی طرح قوم کی قدیم اور مسلسل کوششوں کے نتائج کو
 نمایان کرتے ہیں،

لیکن ہم کو اکابران قوم کے مختلف طبقات کے موازنہ میں اس حد سے آگے نہیں بڑھنا
 چاہیے کیونکہ آئندہ زمانے میں اگرچہ تمدن پر موجدین و مخترعین کا عظیم الشان اثر پڑتا ہے، لیکن عملاً
 قوم کی سیاسی تاریخ پر انکا کوئی اثر نہیں ہوتا، جسکی وجہ یہ ہے کہ ہل کے موجد سے لیکر تارکے موجد تک
 بلکہ دنیا کے تمام مخترعین میں وہ اخلاقی اوصاف نہیں پائے جاتے، جسکی سطح پر کسی مذہب کی بنیاد
 ڈالی جاتی ہے، یا کوئی ملک فتح کیا جاتا ہے، غرض وہ قدرت کے اُن فیاضانہ عطیات سے بالکل محروم
 ہوتے ہیں، جسکے ذریعہ سے علانیہ دنیا کی تاریخ بدل دی جاتی ہے، یہ لوگ ان اوصاف سے اسلئے

معرا ہوئے ہیں کہ انکو جن ایجادات کے متعلق طویل غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہو وہ اس قدر تہ طلب اور سچیدہ ہوتی ہیں کہ ان کا اثر اذن کے علم و یقین کو ضعیف کر ڈالتا ہو، ایک وجہ یہ بھی ہے کہ غور و فکر کرنے والوں کو مادی فوائد کی بہت کم اطلاع ہوتی ہو، اس بنا پر وہ ان کی بہت کم پروا کرتے ہیں ان اسباب کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ موجدین و مخترعین صرف زمانہ کی روش کے مطابق تمدنی انقلاب پیدا کر سکتے ہیں، لیکن متعصب، محدود خیال، اور مضبوط فکر کے مقتدی ان قوم جدید مذاہب کو قائم کر سکتے ہیں، سلطنتوں کی بنیاد ڈال سکتے ہیں اور نظام عالم کو الٹ پٹ کر سکتے ہیں، ایک پیٹرس رامب کی آواز نے یورپ کے ہزاروں آدمیوں کو مشرق کی طرف بھونک دیا، ایک محمد صلعم کی آواز نے دنیا کے قدیم یعنی یونان اور روم کو تہ و بالا کر دیا، اور توھر جیسے گنگام رامب نے تمام یورپ کو اٹھا کر آگ اور خون کے سمندر میں ڈال دیا، لیکن نیاں گلیلا اور نیوٹن کی آواز کی طرف کان بھی نہیں لگایا، غرض موجدین و مخترعین تمدن کی رفتار کو صرف نیز و سرسج کر دیتے ہیں لیکن پیشوایان مذہبی ایک مستقل تاریخی دور کو پیدا کرتے ہیں،

تاریخ صرف اذن واقعات کا مجموعہ ہے جن کے ذریعہ سے انسان نے ایک خیال قائم کیا، اس کی پرستش کی، اور پھر اسکو فنا کر دیا، اگرچہ علمی حیثیت سے ان خیالات کی وقعت اس سراب سے زیادہ نہیں، جس کی حرکت رگستان میں ایک زود فنا چمک پیدا کر دیتی ہو، لیکن خلکوگون نے اس سراب کو پیدا کیا ہو، انھوں نے دنیا کی کاپلٹ دی ہو، اور اب بھی اگرچہ وہ عدم آباد میں سکونت پذیر ہیں، تاہم تمام دنیا کی گردنیں ان کے نفوذ و قوت کے سامنے جھک جاتی ہیں، اور قوموں کے نظام اخلاق کی تبدیلیوں پر قیامت تک اونکا اثر پڑتا رہے گا، اسلئے ہم کو ان کی حیثیت سے اغماض نہیں کرنا چاہیئے اور اس واقعہ کو اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ انھوں نے یکا رہائے نمایاں صرف اس وجہ سے انجام دیئے کہ وہ ہمہ تن اپنی قوم اور اپنے زمانے کے خیالات کا موقع بن گئے، کوئی شخص اپنی قوم

میں اس وقت تک حرکت نہیں پیدا کر سکتا جب تک اس کے خیالات اس طرح تشکل نہ ہو جائیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کی اصلی ضرورت کو تشخص کیا تھا، اور ان کو ہزاروں برس کی موروثی ظالمانہ غلامی سے نجات دلائی تھی، بدعہ اور عیسیٰ نے بھی جب اپنے زمانے کی ظلم آرائیان دیکھیں تو انھوں نے خدا کے لطف و محبت کو مذہبی صورت میں نمایاں کیا اور حقیقت اس وقت لوگ اسی ابرکرم کے پیاسے تھے، محمد (صلعم) نے بھی ایک مذہبی اتحاد کے ذریعہ سے اُن لوگوں میں یگانگیت پیدا کی جو ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے، پولین کے زمانے میں ایک تو مصرت جنگی غرور کے نشہ میں چورتھی، پولین و نئے خیالات کا عملی بکریں لگیا، اور ان کو لیکر سپرہ برس تک یورپ کے گوشہ گوشہ میں صرف اُن مقاصد کی تکمیل کے لیے دھاکے مارتا رہا جن کو ایک قسم کا جنون کہا جاسکتا تھا،

حقیقت یہ ہے کہ انسانی اصول کا تشخص اور ان کی اشاعت صرف انہی رتہاؤں کا کام ہے اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ نوع انسان کا اصل الاصول خود وہی رتہا ہیں، ان اصول کو صرف اس وقت کامیابی حاصل ہوتی ہے جب بھولے بھالے مومنین مخلصین کی ایک جماعت انکی حمایت پر آمادہ ہو جاتی ہے، اس حمایت پر ان اصول کے صداقت و بطلان کا کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اصول جس قدر خود باطل ہوتا ہے اور سقندر لوگوں کو اپنا فریفتہ بناتا ہے، یہاں تک کہ آج تک دنیا میں جو انقلاب پیدا ہوئے ہیں جن تمدن نے انھوں نے ان خطا کی صورت اختیار کی ہے، اور اسکی جگہ جس نئے تمدن نے لی ہے، وہ سب انہی غلط اصول کا نتیجہ تھے جن کے تصور سے بھی عقل کو شرم آتی ہے، اس بنا پر ضیعت الحقل لوگوں کے لیے صرف آسمانی ہی بادشاہت کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے، جیسا کہ انجیل نے بار بار بشارت دی ہے، بلکہ اگر یہ لوگ زلزلہ انگیز یقین رکھتے ہیں تو دنیوی سلطنت کا تاج بھی ان کے سر پر نظر آسکتا

ان مومنین کی جماعت نے جس عمارت کو صرف ایک دن میں تعمیر کر لیا ہے، فلاسفہ ادنیٰ بربادی میں عمریں بسر کر دیا کرتے ہیں، لیکن بہتر ہوتا اگر وہ اُن کے سامنے سبز سجود ہو جاتے کیونکہ یہ لوگ تو اُسے مخفیہ کے اوس سلسلہ کی ایک کڑی ہیں، جو دنیا کی پاسبانی کرتی ہے اور یہی لوگ ہیں جنھوں نے تاریخ کے عظیم الشان واقعات کو پیدا کیا ہے،

یہ لوگ حقیقت انسانوں کے لیے صرف اہام و خیالات لیکر آئے، لیکن دنیا انہی اہام باطلہ کے سہارے پر زندہ رہی، اور آئندہ بھی وہی اوس کا سرمایہ حیات ہون گے، شاید یہ کہا جائے کہ ان خیالات کی کوئی حقیقت نہیں ہے، بے شبہ وہ ایک خواب و خیال ہیں، لیکن با این ہمہ اُن کا احترام کرنا چاہیے، انہی کی برکت سے ہمارے آبا و اجداد چاشنی امید سے لذت آشنا ہوئے، اُن کے پیچھے پیچھے متوالوں کی طرح پڑ گئے اور ہم کو قدیم وحشت سے نجات دلائی اور موجودہ دور تک پہنچایا، اسی طرح ان اہام نے تمدن پر بھی بہت بڑا اثر کیا ہے، وہم ہی نے اہرام مصری کی بنیاد ڈالی، اور پانچ ہزار برس تک مہر کے چہرے کو پتھر کی چٹانوں کے اندر مخفی رکھا، وہم ہی نے قرون وسطیٰ میں اُن تمام عظیم الشان گرجوں کا سنگ بنیاد رکھا، اور ایک تبرقضہ (بیت المقدس) حاصل کرنے کے لیے تمام یورپ کو مشرق کی طرف جھونک دیا، وہم ہی نے اُن مذاہب کو قائم کیا جنکی نصف دنیا پابند ہو گئی اور وہم ہی نے بڑے بڑے ملک آباد کئے اور بڑی بڑی سلطنتوں کا قلع و قمع کر دیا، الغرض دنیا نے جتنے حقیقت میں نہیں بلکہ صرف توہمات کے پیچھے کوششیں صرف کیں وہ اگرچہ ان اغراض و ہمیہ کو حاصل نہ کر سکی، تاہم اُس نے اس سفر میں ترقیوں کی تمام منزلیں طے کر لیں حالانکہ وہ اصل مقصد نہ تھیں،

پانچواں باب

نظام اخلاق کا انحطاط و قوموں کا زوال

پہلی فصل

تمدن زوال پذیر ہو کر کیونکر فنا ہو جاتا ہے؟

انواع نفسیہ کا انحطاط، وہ مورد فی قابلیت جو ایک طویل زمانے میں پیدا ہوئی تھی کیونکر چند دنوں میں معدوم ہو جاتی ہے؟ معراج کمال تک پہنچنے میں ہر قوم کو ایک طویل زمانے کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن انحطاط کے تحت انسانی تک پہنچنے کے لیے ایک مختصر مدت کافی ہے، ہر قوم کے اسباب انحطاط میں سب سے زیادہ موثر سبب اس کے نظام اخلاق کا انحطاط ہے، تمام قوموں میں تمدن کے انحطاط کا صرت ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ اب تک قائم ہے،

بعض لیسن قوموں میں انحطاط کی کھلی ہوئی علامتیں، خود غرضی کی نشو و نما، ہمت اور ارادہ کا ضعف، اخلاق و آداب کا انحطاط، نوجوانان جدید، کسی زمانے میں اشتراکیت (سوشیالزم) کا اثر بہت بڑھ جائیگا، اشتراکیت کے خطرات اور اس کی قوت، اشتراکیت تمدن کو خالص و خشیانہ انقلاب کی طرف لے جاتی ہے، وہ قومیں زمین اشتراکیت کی حمایت ہو سکتی ہے،

انواع مادیہ کی طرح، انواع نفسیہ بھی ہمیشہ زندہ نہیں رہتیں، کیونکہ جن اسباب نے ان کو پیدا کیا ہے، وہ خود ہمیشہ قائم نہیں رہتے، اس لیے جب ان حالات میں تغیر واقع ہوتا ہے، تو مزاج عقلی کے وہ عناصر بھی رفتہ رفتہ فنا ہو جاتے ہیں جو ان اسباب سے وابستہ و مربوط

تھے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نظام کائنات کا ایک عام فطری قانون ہے، جو جسم کی طرح، عقل کو بھی محیط ہے، اس قانون کا اقتضا وہ ہے کہ ایک جسم کے پیدا کرنے کے لیے جس قدر زمانہ درکار ہے، اوس کے فنا ہونے کے لیے، اوس سے بہت کم زمانے کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ جو عضو اپنے عمل کو چھوڑ دیتا ہے، اوس کی علمی قابلیت اس وقت معدوم ہو جاتی ہے، جو پھیلیاں سطح آب کے نیچے، پتھر کی چٹانوں میں رہتی ہیں، اونکی بصارت روز بروز ضعیف ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ ایک مدت کے بعد یہ ضعف موروثی ہو جاتا ہے، اگر ہم انسان کی محدود زندگی پر بھی نظر ڈالیں تو یہ کو معلوم ہوگا کہ جو عضو متعدد دوراں میں تون کے اثر سے کئی پشت میں پیدا ہوا ہے، اگر اوس سے کام نہ لیا جائے تو وہ فوراً بیکار ہو جاتا ہے،

مزاج عقلی بھی اس قدرتی قانون کے دائرہ سے باہر نہیں، اسلئے دماغ کے جو اجزاء اپنا عمل نہیں کرتے اونکی مخصوص قوت فاعلی بیکار ہو جاتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ دماغ کی بعض قابلیتیں جو ایک طویل زمانے میں پیدا ہوئی ہیں ایک محدود مدت میں زوال پذیر ہو سکتی ہیں، شجاعت، جرأت، عزم و ارادہ، قوت استنباط، اور اس قسم کے دوسرے اخلاقی محاسن بہت دنوں میں پیدا ہوتے ہیں، اور جب اپنا عمل استعمال نہیں پاتے تو نہایت سرعت کے ساتھ فنا ہو جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر قوم کی ترقی کے لئے ایک طویل مدت کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اوس کا تنزل نہایت سرعت کے ساتھ ہوتا ہے،

اگر ہم تاریخی حیثیت سے تمام قوموں کے تنزل پر نگاہ ڈالیں تو بلا استثناء ہر قوم کے انحطاط کا اصلی سبب مزاج عقلی کا وہ تغیر ہوگا، جسکو صرف نظام اخلاق کی اتبری نے پیدا کیا ہو، جسکو جہان تک معلوم ہے، قوم میں ذہانت اور طباعی کی کمی کسی سلطنت کے زوال کا سبب نہیں ہوئی اس بنا پر تمدن کے زوال کا سبب صرف ایک ہی ہے اور اوس کے پیش نظر رکھنے کے بعد ایک

شخص بعض شعرا کی طرح یہ سوال کر سکتا ہو کہ تاریخ جس نے بہت سے مجلدات کو بھر دیا ہو، وہ بہت سے صفحات کے مجموعے کا نام ہو، یا حقیقت میں یہ صفحے مکر رہیں؟

جب کوئی قوم تہذیب و تمدن کے زیور، اور نفوذ و قوت کے ہتھیار سے مسلح ہو جاتی ہو، اور اس کو اپنی ہمسایہ قوم کے حملے کا خطرہ نہیں رہتا تو وہ نہایت عیش و طرب کے ساتھ جو دولت کا لازمی نتیجہ ہو، زندگی بسر کرنے لگتی ہو، اسلئے اس کے تمام فوجی محاسن برباد ہو جاتے ہیں، تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورتوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہو، شخص کے دل میں خود غرضی اپنا قدم چالیتی ہو، اور اس کا سطح نظر صرف یہ ہوتا ہو کہ جو مال و دولت اس کے ہاتھ آئے، اس سے نہایت سرعت کے ساتھ ذاتی فائدہ اٹھائے، اس بنا پر تمام قوم عام مصلح سے اعراض کرنے لگتی ہے اور قوم کے وہ تمام اخلاقی محاسن فنا ہو جاتے ہیں جو اس کی عظمت کا حقیقی سبب تھے، اب اس پر قرب و جوار کی وحشی یا نیم وحشی قوموں کا حملہ شروع ہو جاتا ہو، کیونکہ تمدنی حیثیت سے اگرچہ وہ اس کی ہمسری نہیں کر سکتیں، لیکن اس کا اعتقاد اس سے بہت زیادہ قوی ہوتا ہو، حکم کرنے کے بعد وہ اس کے تمدن کی بنیاد کو ڈھا دیتی ہیں، اور اس کے کھنڈ پر دوسرے تمدن کی عمارت قائم کرتی ہیں، روم و ایران کی سلطنتوں کا یہی حشر ہوا، ان کا نظام حکومت اگرچہ نہایت حکمتاں ہم برابر نے روم کا خاتمہ کر دیا، اور عربوں نے ایران کے پرچے اوڑا دیے، یہ بالکل یقینی ہو کہ ان مغلوب سلطنتوں میں عقل و ذہانت کی کمی نہ تھی، بلکہ ذہنی حیثیت سے فاتح کو مفتوح کے ساتھ کوئی مناسبت نہ تھی، کیونکہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ عقل اور سب سے بڑی ذہانت کا ظہور روم ہی میں ہوا، اور شاہزادہ اول کے زمانے میں وہی روم کے زوال کا سبب بن گئی، اسی زمانے میں بڑے بڑے انشا پرداز اور بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے، اور اس شاندار قوم کے تمام کارنامہ گائے زرین

اسی زمانے کی طرف منسوب ہیں، لیکن اس زمانے میں اوس نے اپنی اخلاقی طاقت کو کھودیا اور ذہانت کتنی ہی ترقی کر جائے، لیکن اخلاق کی قائم مقام نہیں ہو سکتی،

قدیم رومن لوگوں کی ضروریات زندگی بالکل محدود تھیں، اور ان کا اعتقاد نہایت قوی تھا، یہ اعتقاد تمام قوم کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا، اور ہر شخص اوس پر جان مال بلکہ اپنے اہل و عیال تک کو قربان کر دیتا تھا، یہی دونوں چیزیں روم کی عظمت کا حقیقی سبب تھیں، لیکن جب وہ مادی حیثیت سے تمام دنیا کا مرکز بن گیا، تو اوس میں ہر طرف سے اجنبی قوین آباد ہونے لگیں، جن کو اخیر میں ملکی باشندوں کا خطاب دیدیا گیا، حالانکہ اون کا مقصد صرف ملک کی شادابی سے فائدہ اٹھانا تھا، خود ملک کی عزت و اقتدار کی طرف اون کی توجہ نہ تھی، اب عظیم الشان شہر اگرچہ تمام قوموں کا دو گل بن گیا، لیکن روم روم نہیں رہا، اوس کے چہرے پر اگرچہ زندگی کی ظاہری علامتیں نظر آتی تھیں، لیکن حقیقت اوس نے مدتوں پہلے اپنی حقیقی روح کو نکال کر پھینک دیا تھا،

بالکل اسی قسم کے متعدد اسباب ہمارے ترقی یافتہ تمدن کو بھی دھکی دے رہے ہیں، اور جدید علمی تحقیقات نے خیالات میں جو تغیر پیدا کر دیا ہے اور اس نے جو جدید اسباب پیدا کر دیئے ہیں وہ ان پر مستزاد ہیں، علم نے ہمارے قدیم خیالات کو دوسرے قالب میں بدل دیا ہے اور تمدنی اور مذہبی اصول کے اثر کو صفحہ اول سے بالکل مٹا دیا ہے، انسان کی آنکھوں کے سامنے جو پردے پڑے ہوئے تھے، وہ اٹھ گئے ہیں، اور اوس کو معلوم ہو گیا ہے کہ عالم وجود میں اوس کا کیا درجہ ہے؟ وہ اس سے بھی واقف ہو گیا ہے کہ خود فطرت کو اس درجہ کا احساس نہیں ہے، وہ بھی جان گیا ہے کہ وہ جس چیز کو "آزادی" کے نام سے پکارتا تھا، وہ غلامی کے اسباب کی ناواقفیت کا نتیجہ تھی، ورنہ دنیا میں وہ ایک غلام ہے جو پنجہ تقدیر میں گرفتار ہے اور اس کو

یہ بھی یقین ہے کہ فطرت کی آغوشِ لطیف و محبت کے جذبات سے بالکل خالی ہو، اور انسان ترقی کے جن مدارج پر پہنچ گیا ہو، اول کو فطرت نے عناصر کے امتزاج و ترکیب سے پیدا کیا ہو، اور اس عملِ ترکیبی میں قومی عنصر نے ضعیف کی گردن توڑ دی ہو، یہ خیالات اس قدر موثر ہیں کہ اونکے اظہار سے لوگوں میں خون کا سیلان منجمد ہو جاتا ہو، اور جن عقائد کی بنا پر ہمارے آباؤ اجداد پر لطفتِ زندگی بسر کرتے تھے، وہ اونکے کسرِ مخالفت ہیں، ان خیالات نے دلوں میں اضطراب انگیز شکوک پیدا کر دیے ہیں، اور ضعیف العقل لوگوں کو انارکزم کی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہو، جو اس زمانے کی سب سے بڑی امتیازی خصوصیت ہو، ان شکوک نے تعلیم یافتہ توجہ افون کے نظامِ اخلاق میں عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہو، اور اذن کے دلوں میں یاس و حرمان کی تخم پاشی کی ہو، اس بنا پر انکی قوتِ ارادی بالکل مفقود ہو گئی ہو، اور وہ وقتی اور ذاتی فوائد کے غلام بن گئے ہیں،

موجودہ دور کے ایک انشا پر داز کا یہ فقرہ کس قدر واقعیت پر مبنی ہو، کہ ”اس زمانے کی قوتِ ادراک پر اضافی خوبیوں نے تسلط کر لیا ہو،“ صیغہ تعلیم کے ایک وزیر نے انہی ایک تازہ ترین تقریر میں اسکی شرح ان الفاظ میں کی ہو ”اس زمانے کی علمی فتوحات میں سب سے بڑی فتح یہ ہو کہ کلی اصول کی جگہ اضافی اصول نے چھین لی ہو“ لیکن حقیقت اس فتح کا پتہ قدیم زمانے میں بھی چلتا ہو، چنانچہ آج سے دس صدی پیشتر فلاسفہ ہند کا بھی یہی خیال تھا، آج یہ خیال دوبارہ زندہ ہو گیا ہو، لیکن یہ ہمارے لئے کوئی خوشی کی بات نہیں کیونکہ اصلی خطرہ اول عقائد کے عدم اذعان سے پیدا ہوتا ہو، جو قومی زندگی کے اصلی ستون تھے اور مجھے جہاں تک معلوم ہو، ابتداً تاریخ سے آج تک کوئی تمدن، کوئی نظام، کوئی عقیدہ اضافی اصول کی بنیاد پر قائم نہیں ہوا شاید یہ کہا جائے کہ بظاہر مستقبل سوشیالسٹ

گروہ کے ہاتھ میں نظر آتا ہو، لیکن اس کامیابی کی صرف یہ وجہ ہو سکتی ہو، کہ جو لوگ اولن کے مذہب کی منادی کرتے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ یہ مذہب حقائق کلیہ پر مشتمل ہے، اور جامعیت صرف ان ہی لوگوں کے حلقہ اثر میں آتی ہے جو حقائق کلیہ کی دعوت دیتے ہیں، اولن کے سوا وہ اور لوگوں کی طرف رنج نہیں کرتی، اگر کوئی شخص پالیٹیشن بننا چاہتا ہے تو اس کو سب سے پہلے جامعیت کی روح کا سراغ لگانا چاہیئے، اس کے اخلاق کی حقیقت سے واقف ہونا چاہیئے، اور فلسفیانہ روش کا فیون کو پس پشت ڈال دینا چاہیئے، کیونکہ اشیاء کی حقیقت میں بہت کم تغیر ہوتا ہے، صرف اولن کی صورت میں بدلتی ہیں، اور ہوشیار صرف وہ شخص ہے جو ان ظاہری صورتوں سے کام لیتا ہے،

یہ سچ ہے کہ ہم کو صرف عالم کون کی ظاہری حقیقت کا علم ہو سکتا ہے، یعنی صرف وہ نفسی حالات معلوم ہو سکتے ہیں جن کی قدر و قیمت بالکل اضافی ہے، لیکن با انہما اجتماعی حالات کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر زمانہ، اور ہر قوم کے حالات، رسوم، اور نظام، کلی حیثیت رکھتے ہیں، اور کوئی قوم اولن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی، اگر ان کلیات میں شکوک پیدا ہو جائیں تو یقین کر لینا چاہیئے کہ اس قوم کے آخری دن آگئے،

ان حقائق کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ کوئی علم ان سے انکار نہیں کرتا، البتہ ان کے مخالف مذاہب کا اثبات سخت خطرناک ہے، بالخصوص وہ سبلی فلسفہ، جس کی نسبت بعض اہل لراے کا خیال ہے کہ وہ دیر پا زندگی حاصل کر گیا لوگوں کے دل میں یہ عقیدہ قائم کر رہا ہے کہ موجودہ نظام بالکل ظالمانہ ہے اس میں کہیں رحم کی جھلک نظر نہیں آتی اور انسانوں کے تخیلات فطرتی طبقے ایک مضحکہ خیز ظرف ہیں اس بنا پر وہ لوگوں کو ہر چیز کا دشمن بنا دیتا ہے اور فساد و تباہی پھیلاتا ہے۔

کی طرف مائل کرتا ہے، اس زمانے کے سیاست دان اگرچہ نظام حکومت کے اثر کا دل سے اعتراف کرتے ہیں، لیکن اصول کے متعلق ان کا اعتقاد بھی نہایت ضعیف ہے، حالانکہ علمی تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ ہر نظام اصول ہی سے متفرع ہوتا ہے، اور جب تک مقدمات کا وجود نہ ہو نتیجہ کا وجود نہیں ہو سکتا، اصول و حقیقت کائنات کے اندرونی اثرات کا نتیجہ ہوتے ہیں اسلئے اگر وہ فنا ہو جائیں، تو تمدن اور نظام حکومت کی تمام مخفی بنیادیں متزلزل ہو جائیں، اس لحاظ سے قوموں کے ابتلا و امتحان کا سخت ترین زمانہ وہ ہوتا ہے جب اصول اور عقائد ساتھ ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کر دیئے جاتے ہیں،

اگر ہم مقدمات سے نتائج کا استنباط کریں تو ہم کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یورپ کی تمام بڑی بڑی قوموں میں انخطاط کی علامتیں علانیہ ظاہر ہو رہی ہیں، بالخصوص لٹین قوموں میں انخطاط شدہ کے ساتھ ظہور پذیر ہو رہا ہے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ انخطاط اسکی موردنی اور قومی خصوصیات کا نتیجہ ہے، یا اس کو تعلیم و تربیت، اور تقلید نے پیدا کیا ہے، تاہم یہ بدیہی ہے کہ وہ روز بروز بہت، ارادہ، علمی قابلیت، اور قوت استنباط کو کھوتی جاتی ہے اور غریب و نہ صرف مادی ضروریات پر قانع ہو کر بیٹھ رہی ہے، حالانکہ انہیں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے، اور نسل کی ترقی میں کمی ہوتی جاتی ہے، اجتماعی قوت پر اگندہ ہو رہی ہے، فقر و سہ لیکر بڑے بڑے امرا تک غصہ اور تنگدلی کی حامی مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں، اور اس زمانے میں انسان بالکل اوس جہاز کے مشابہ ہو گیا ہے جس کا کپتان ڈوب گیا ہے، اور وہ تن بہ تقدیر ہوا کے ساتھ ساتھ چکر لگا رہا ہے، جدید علوم و فنون نے اوس کو ششہ فراغت کو جس میں مجبوروں کی بھرا رہی تھی بالکل چیل میدان بنا دیا ہے، اس لئے انسان نے خدا کو چھوڑ کر اپنے سررشتہ امید کو بھی ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے، جماعت میں انفعالی قوت بڑھ گئی ہے، اور وہ ہر چیز سے شدت کے

ساتھ متاثر اور اسلئے نہایت سرعت کے ساتھ تغیر پذیر ہو رہی ہے، اوسکے آگے کوئی دیوار نہیں ہے جو اس کی برابر آدمی کو روک سکے، اسلئے وہ سیلاب کی طرح فوضویت کے جنون سے استبداد کی ذلت کی طرف متصل حرکت کر رہی ہے، صرف یہ کچھ کہہ دینا، اس کو برا لگنے نہ کر دیتا ہے، وہ ہر روز ایک نیا خدا بناتی ہے، صبح کو اس کے آگے سجدہ کرتی ہے، اور شام کو اس کو فنا کر دیتی ہے، عام خیال ہے کہ وہ یہ جدوجہد آزادی کے لئے کر رہی ہے، لیکن درحقیقت وہ آزادی کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے، اور حکومت سے دعویت کر رہی ہے کہ اس کے گلے میں طوقِ ذرِ خنجر ڈال دے، وہ اپنی حقیر جماعت، اور فلسفیانہ حیثیت سے نہایت استبداد پسند حامیوں کی اندھا دھند اطاعت کرتی ہے جو لوگ اس کی رہنمائی کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ درحقیقت اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں وہ ان لوگوں میں جو داغی اضطراب کی بنا پر ہر روز نئے نئے لیڈروں کی اطاعت کرتے ہیں، اور اس روحِ استقلال میں جو ہیر لیڈر کی ذلیل اطاعت سے ابا کرتی ہے، تفریق و امتیاز نہیں کرتے حکومت کسی قسم کی ہو لیکن درحقیقت وہ ہر گروہ کا قبلہ مقصود ہے، اور تمام لوگ اس سے ایک نئی بندش کی درخواست کرتے ہیں، اور اس سے ایسی اعانت کے خواستگار ہوتے ہیں، جو انسان کی گردن پر نہایت ذرنی بوجھ لاد دیتی ہے، یعنی لوگ چاہتے ہیں کہ قوم کے تمام چھوٹے بڑے کام نظامِ حکومت کے سخت اور استبدادانہ سلسلے میں جکڑ دیئے جائیں، اور ہمارے نوجوان روز بروز دن کاموں سے اعراض کرتے جاتے ہیں، جن میں قوتِ استنباط ذاتی جدوجہد، عقل، ہمت، اور ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے، وہ چھوٹی سے چھوٹی ذمہ داری سے گھبراتے ہیں اور ذلیل سرکاری ملازمتوں کی جائے پناہ میں چھپنا چاہتے ہیں، تاجروں کو نوآبادیوں کے قائم کرنے کا طریقہ معلوم نہیں ہے

نہیں کر سکتا، اوس پر کوئی دوسرا حکومت کرے گا،

اس حالت کا بدلنا سخت مشکل کام ہی، کیونکہ سب سے پہلے ہمیں اوس افسوسناک لینن طریقہ تربیت کو بدلنا پڑیگا، جو حکومت استبداد اور مہمت سے (اگر ہم میں درشتہ یہ جوہر موجود ہیں) متحرک کر کے ہمارے ملکہ استقلال عقلی کو بالکل فنا کر دیتا ہے، کیونکہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ امتحانات میں کوئی سبقت لیا جائے، اور یہ ایک ایسا بدترین مقصد ہے جس میں صرف قوت حافظہ سے کام لینا پڑتا ہے، اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ تمام قومی کاموں کو صرف وہ لوگ انجام

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) ہر ۱۰۰۰ افراد پر ۴۲ سٹیٹون ۴۲ افراد قرار داجم لگائی حالانکہ اس تعداد میں پوری قوم کی نسبت ایک شخص سے زیادہ تھی، میں نے ایک سرکاری اخبار میں جو ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء کو شائع ہوا تھا وزیر عدالت کی ایک یادداشت پر بھی تھی جو انھوں نے پریسڈنٹ کی خدمت میں بھیجی تھی، اس میں وہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ عسے ان مصائب میں اور اضافہ ہو گیا ہے، جنھوں نے قوم کو پریشان کر رکھا ہے، یہاں تک کہ ایک ہمارے کونسلر میں نیابت کو ۲ سٹیٹون کی طرف خاص طور پر توجہ دلانا پڑی، کیونکہ اوس وقت جو مضامین نازل ہو رہی تھیں انھوں نے ایک ایسی خونخوار صورت اختیار کر لی تھی جو پہلے کبھی نظر نہیں آئی تھی، کیونکہ اس قسم کے افسوسناک واقعات میں اضافہ ہوتا جاتا تھا مسئلہ میں ان واقعات کی تعداد بھی ۱۹۱۷ء میں ۱۱ ہو گئی ۱۹۱۸ء میں ۱۵ تک پہنچی گئی اور ۱۹۱۹ء میں اسکی تعداد ۱۷ ہو گئی، ان سٹیٹون نے ۱۹۱۷ء میں ۱۱، ۱۹۱۸ء میں ۱۵، ۱۹۱۹ء میں ۱۷، ۱۹۲۰ء میں ۱۹ سٹیٹون کو ان کے عہدے سے علیحدہ کر دیا گیا یا ان کو استعفا دینے پر مجبور کیا گیا اور اگر ہم ان واقعات کے ساتھ عظیم الشان لیٹون میںی بنگوں کی تحریکات کی ناکامیابی کا اضافہ کریں تو ہرگز قرار کرنا پڑیگا کہ روسیاسٹ گروہ اگر حکام کی اخلاقی حالت کا خالی ہو تو لوگوں کو معذور کر رکھتا چاہیے، سب سے زیادہ بدقسمتی یہ ہے کہ اخلاقی تنزل تمام لیٹون قونین عام طور پر پایا جاتا ہے، اسی کے سرکاری بنگ کے شرماں واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلیٰ عہدہ داران حکومت نے غلام روپیہ کی چوری کرتے تھے، پرتگال کے افلاس، اسپین کی نازک مالی حالت، اور امریکہ کی لیٹون جمہوریت کے تنزل سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قوم کے بعض گروہوں میں علاج مرض پھیل گیا ہے اور یہ حالت اس کے تنزل کا پیش خیمہ ہے،

دیتے ہیں، جن میں تقلید کے سوا اور کوئی قابلیت نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ادن کا مون کو بہت کم ہاتھ لگاتے ہیں جن میں ذاتی ہمت اور بیباکانہ جرأت کی ضرورت ہوتی ہے، ایک باگینز ونے انگریزی مدارس کا معائنہ کیا تو اس سے بعض پروفیسروں نے کہا

”میں طلباء کی روح کے اندر لوہا بچھلا کے ڈالنا چاہتا ہوں“

کیا لیٹن قوموں میں بھی ایسے پروفیسر، اور ایسا نظام تعلیم موجود ہے، جو ایسا اعلیٰ خیال پیدا کر سکتا ہے؟ شاید نظام فوجی اسکی مثال پیش کر سکے گا، بہر حال ہمارے یہاں صرف یہی طریقہ اسکا ذریعہ ہے، اس بنا پر تنزل پذیر قوموں کے ادبھارنے کے لیے لازمی شرط یہ ہے کہ ادن میں فوجی نظام کو عام طور پر وسعت دیجائے، اوکو سنگدل بنایا جائے اور اوکو ہمیشہ چکنا چور کر دینے والی لڑائیوں کی دھمکی دیجائے،

لیٹن قوموں اور آزاد قوانین کے زیر سایہ نہایت سخت زندگی بسر کر رہی ہیں، جو استبداد اور فوضویت دونوں سے الگ ہیں، یہ دشواریاں صرف اسلئے پیدا ہوئی ہیں کہ قوم کا نظام اخلاق پست ہو گیا ہے، قوم کے افراد میں ضبط نفس کی قوت نہیں ہے، لوگ فوائد عامہ سے منحرف ہو کر خود غرضی کی طرف مائل ہو گئے ہیں، اگر قومی جماعت ان قوانین کو پسند نہیں کرتی تو غور کرنے سے اسکی وجہ آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے، کیونکہ ہر جماعت بالطبع شاہانہ حکومت چاہتی ہے، تاکہ اوکو فاحشانہ مساوات حاصل ہو جائے وہ آزادی کی خواستگار نہیں ہوتی جو فاحشانہ اختیارات ہی کو سلب کر دیتی ہے، البتہ یہ عقدہ مشکل سے حل ہو سکتا ہے کہ خود روشن ضمیر طبقہ اس آزاد نظام حکومت سے کیون نفرت کرتا ہے؟ شاید یہ کہ یہ نفرت اپنے آباؤ اجداد کی وراثت میں ملی ہے حالانکہ ہر قسم کی ہمارت، بالخصوص عقلی ترقی کی بلند پروازی کے لئے اس نظام حکومت سے زیادہ صاف کوئی نفا نہیں مل سکتی، یہاں تک کہ جو لوگ مساوات

خواستگار رہیں اولن کے نزدیک اس نظام حکومت کا سب سے بڑا عیب یہی ہے کہ وہ ان حقوق کے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جو عظیم الشان عقلی طاقت کے بل پر اتنا زیادہ حاصل کر لیتے ہیں، لیکن شاہانہ نظام حکومت کسی قسم کا ہو وہ عقل اور اخلاق دونوں کو برباد کر دیتا ہے اور اس میں صرف یہ خوبی ہے کہ وہ تمام لوگوں کو ذلت اور دناوت میں کیسان طور پر شریک کر لیتا ہے، اور اسلئے وہ تنزل پذیر قوموں کے لئے نہایت موزوں ہے، اور اسلئے وہ جب موقع پاتی ہے تو اسکی طرف رخ کرتی ہے اور لیڈروں کی زرق برق پوشاک اور انکو اسی غار میں جھونک دیتی ہے جب قوم اس درجہ انحطاط کو پہنچ جاتی ہے تو اسکے زوال کی تاریخ شروع ہو جاتی ہے،

تاریخی حیثیت سے شاہانہ حکومت کا زمانہ یا تو تمدن کے شباب کی حالت میں شروع ہوتا ہے یا اسکی بنیاد تمدنی انحطاط کے درمیں پڑتی ہے، آج بھی خود مختارانہ طرز حکومت ایک دوسرے قاسب میں جلوہ گر ہو رہی ہے، یعنی اسکا ظہور اشتراکیت کی صورت میں ہو رہا ہے، اشتراکیت درحقیقت افراد کو فائرنی السلطنت کر دیتی ہے، بلکہ وہ شاہانہ طرز حکومت سے بھی زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ ایک بڑے سے بڑا استبداد پسند بادشاہ بھی انجام کار سے ڈرتا ہے، لیکن جماعتی حکومت کو اس کا ذرہ برابر بھی خوف نہیں ہوتا اس زمانہ میں اشتراکیت تمام خطرات سے زیادہ یورپین قوموں کی ہستی کو دھمکی دے رہی ہے قوم پر دوسرے موثر اثر کر چکے ہیں اور اب وہ انکے تنزل کا سامان کر رہی ہے اور بالآخر اسکے ذریعہ سے یورپین تہذیب کا خاتمہ ہوگا،

اسکے خطرات، اور اسکے اثرات کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ لوگ اس شدت کے ساتھ اسکی طرف مائل ہو رہے ہیں کہ خود اس تعلیم کو چھوڑتے جاتے ہیں جس نے اشتراکیت کو پیدا کیا ہے جو لوگ زندگی کے مصائب میں مبتلا ہیں، اور اس زمانہ کے تمدن نے

یعنی شخصی نظام حکومت،

جوامی مشکلات پیدا کر دی ہیں، اول سے واقعہ ہیں، وہ اس مذہب جدید کو علانیہ قبول کر رہے ہیں، الٹ لوگوں کی تعداد اگرچہ اب بھی غیر محدود ہے، لیکن چند ہی دنوں میں آسانوئی و وسیع نصار بھی اس سے بھر جائیگی، جو لوگ مصائب زندگی کو برداشت نہیں کر سکتے، ان کو وہ جنت کی صورت میں نظر آئیگی، یعنی وہ جنت جو پہلے صرف مسجدوں اور گرجوں کے چھروکوں سے نظر آتی تھی، اس آنے والے مذہب کے شیدائی بڑھتے جاتے ہیں، اور عنقریب دوسرے زبانیاں چڑھائی جائیگی، اور اس حالت میں وہ ایک مذہبی عقیدہ ہو جائیگی جسکی آواز سے تمام قوم لرز اٹھتی ہو،

یہ خیال کہ اشتراکیت انسان کو غلامی کے پست ترین درجہ کی طرف لیجاتی ہو، اور ہمت و استقلال کو فنا کر ڈالتی ہو، ایک ایسا خیال ہے جس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں ہے، لیکن اس سے صرف علم النفس کے ماہر ہی واقف ہیں، اور وہ جماعت کے دماغ میں بھی نہیں آ سکتا، کیونکہ وہ اس قسم کے دلائل کو تسلیم نہیں کرتی اور اس کو جن لائل سے تسکین ہو سکتی ہو، ان کا اثبات عقلی طور پر نہیں کیا جاسکتا،

اگرچہ اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جو شخص ذرہ برابر بھی ذوق سلیم رکھتا ہو، وہ اس مذہب کو قبول نہیں کر سکتا، تاہم جو مذاہب ایک طویل زمانے تک ہم پر فرمانروائی کرتے رہے ہیں وہ بھی ذوق سلیم کے لئے قابل انکار تھے، عقلا کے گروہ نے ان مذاہب کے قبول کرنے سے صرف اس بنا پر انکار کیا کہ انسان مذہبی عقائد کو صرف غیر شاعرانہ طور پر قبول کرتا ہو، اور غیر شعرائے احساسات کے دائرہ عمل میں عقل کی رسائی نہیں ہوتی،

اس بنا پر اشتراکیت کے خطرات کتنے ہی عام ہو جائیں، لیکن یورپین قوموں کو اس کے سامنے سر بسجود ہونا ہی پڑ گیا، اور سپر انکو موجودہ زمانہ کا مزاج عقلی مجبور کر گیا، اور اس طور پر وہ انحطاط کے انتہائی درجہ تک پہنچ جائیگی، کیونکہ زمانہ تمدن کو تحت الشری میں لے جا رہا ہے، اور برہنہ کی خانہ

بر انداز غارتگری کے لئے راستہ صاف کر رہا ہے،

اگر روسی قوم کو جو نفسی حیثیت سے بہ نسبت یورپین قوموں کے ایشیائی قوموں سے زیادہ
مشابہ ہے، مستثنیٰ کر لیا جائے، تو انگریزوں کے سوا کسی یورپین قوم میں وہ عزم و ارادہ، وہ مستحکم عقیدہ
اور وہ استقلال نہیں پایا جاتا جو اس جدید مذہب کے حملہ سے اس کو محفوظ رکھ سکے اس وقت تو جرمنی
جرمنی کے چہرے پر اگرچہ ترقی کے خط و خال نظر آ رہے ہیں، لیکن وہ سب سے پہلے اشتراکیت کا
شکار ہو گی، کیونکہ اس کے تمام اطراف میں سوشلسٹوں کو کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں، یہ مسلم ہے
کہ جو اشتراکیت جرمنی کو تباہ کرے گی، مغربی اوسکاٹلورڈ ایک علی لباس میں ہو گا، مگر یہ لباس صرف
اوس خیالی پلاؤ پکانے والی قوم کے لئے موزوں ہو سکتا ہے، جو نفع انسان میں زندگی بسر نہیں
کر سکتی، لیکن اخیر میں جو عقلی نتیجہ پیدا ہو گا، وہ گذشتہ نتائج سے زیادہ سخت اور قوی ہو گا، جرمنی
تمام قوموں سے زیادہ اشتراکیت کے قبول کرنے کی استعداد رکھتی ہے، کیونکہ استقلال و استنباط
نتائج کا ملکہ اوس سے رخصت ہو چکا ہے، اور اپنے اوپر حکومت کرنے کی عادت اس سے مفارقت
کر چکی ہے، روس میں آج سے چند دنوں پہلے وہ اشتراکی نظام قائم تھا جو وحشی اور سادہ قوموں میں
عام طور پر رائج ہے، اور اشتراکیت کی مکمل صورت اسی نظام کے پردے میں جلوہ گر ہوتی ہے
آج بھی اگرچہ وہ کلیتہً اس سے آزاد نہیں ہے، لیکن اب وہ اوس منزل پذیر حالت کا تصور بھی

سے جرمنی کے مشہور دانشور داز بھی ہماری رائے کی حمایت کر رہے ہیں، ہاشر برگ یونیورسٹی کے پروفیسر سیدر بکلائی ایکس نے جرمن
کھنے تین تہیکہ انگریزی قوم کو دلچسپ و حکومت کرنا چاہتی ہے ہماری قوم کی امتیازی خصوصیت مائثر حکومت کے عقائد پر زندہ رہنا ہے،
ہم ایک ایسی قوم ہیں جو ہم سے دوسروں پر زندہ گی ہر کر رہی ہے، مبارک کے مضبوط ہاتھ نے گذشتہ سال کے زمانے میں ہم سے مکمل
استنباط اور طاقت اندیشی کو چھین لیا، جو گواہی دے ہو جس میں ہمارے لئے ایک مابین بنا دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم تمام جھوٹے
بڑے معاملات میں حکومت کا دامن پکڑتے ہیں، اور اوپر ہر چیز کو چھوڑ دیتے ہیں،

نہیں کر سکتا، اسلئے اسکا مستقبل تمام قوموں سے مختلف ہوگا کیونکہ اقتصادی لحاظ کیوں کے بعد شہریت
وحشی قوموں کے لئے راستہ صاف کر دی گئی، اور وہ ٹوٹ ٹوٹ کر یورپین قوموں پر گر گئی اور
ان کے تمدن کو ٹکس جائیگی،

لیکن یہ زمانہ اب تک نہیں آیا ہے، اور ابھی اس کے آنے میں کسی قدر دیر ہے،
اسکے علاوہ اشتراکیت میں جو ظالمانہ بے اعتدالی پائی جاتی ہے، وہ اسکو قائم نہیں رہنے دیگی
اور اسوقت لوگوں کو تیسرا اور کاہلچولا کے زمانہ پر رحم آئیگا، ہرکے تعجب ہو کہ رومانیوں نے کیونکر
ان ظالموں کے نظام برداشت کیے، لیکن یہ تعجب اس وقت زائل ہو جاتا ہے جب ہرکے یہ معلوم
ہوتا ہو کہ ان پر خانہ جنگیوں کے متعدد دور گزر چکے تھے، اور جلا وطنی نے ان کو استعداد یوں
کروا دیا تھا کہ انکی اخلاقی طاقت سلب ہو چکی تھی، اسلئے انھوں نے انھی ظالموں کو اپنی
نجات کا وسیلہ بنایا اور انکے تمام نظام برداشت کیے، کیونکہ ان کو یہ معلوم ہی نہیں تھا
کہ وہ اپنی ذات کے سوا انکو کیا معاوضہ دے سکتے ہیں؟ اور درحقیقت مٹ جانے کے بعد
رومانیوں کو انکا بدل بھی نہ مل سکا بلکہ بربر کا سیلاب انکو اور انکے ساتھ انکے تمدن کو بھی
بہا لے گیا، الغرض رومن سلطنت کا یہ افسوسناک انجام ہوا، اور اس زمانے میں بھی تاریخ کا
یہ دور عود کرنے والا ہے،



دوسری فصل

خلاصہ عامہ

ہم نے اس کتاب کے مقدمہ میں بتا دیا ہے کہ قوموں کی تمدنی تاریخ پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے یہ کتاب اس کا خلاصہ ہے، اس لحاظ سے اسکی ہر فصل کسی گزشتہ تصنیف کا تلخیص ہے اور اس لیے اس خلاصہ کا خلاصہ کرنا نہایت مشکل ہے، تاہم ناظرین کے تنگی وقت کے لحاظ سے ہم اس مشکل کام کو بھی اپنے سر لیتے ہیں، اور اس کتاب کے اساسی فلسفیانہ اصول کو مختصر مقدمات کی صورت میں اول کے سامنے پیش کرتے ہیں، چنانچہ اوکی تفصیل حسب ذیل ہے،

(۱) خواص جسمانی کی طرح، ہر قوم چند نفسی خواص بھی رکھتی ہے، اور انواع نفسیہ انواع مادہ کی طرح، پشتون اور مدون کے بعد بدلتی ہیں،

(۲) ان نفسی موروثی خواص کے مقابل میں ہر قوم میں دوسرے خواص بھی پائے جاتے ہیں، جو آب و ہوا، اور گرد و پیش کے حالات سے پیدا ہوتے ہیں، اور ان میں ہمیشہ تغیر ہوتا رہتا ہے، اسلئے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ قوم میں ایک عظیم الشان دائمی انقلاب ہو رہا ہے،

(۳) خواص نفسیہ کے مجموعہ سے ہر قوم میں ایک مزاج عقلی پیدا ہو جاتا ہے، جو اس کے زندہ افراد اور گزشتہ اسلاف کا خلاصہ ہوتا ہے، لیکن قوموں کی زندگی میں زندہ افراد کے بجائے نمایاں حصہ مردوں کا ہوتا ہے، کیونکہ انہی مردہ رجحانوں نے ان میں اخلاقی احساس پیدا کیا ہے اور اسکی رفتار ترقی کے اسباب فراہم کیے ہیں،

(۴) نوعی امتیازات کے ساتھ تو میں دوسرے اوصاف کے لحاظ سے بھی باہم ممتاز ہوتی ہیں،

اور ان اوصاف اور نوعی امتیازات میں باہم تلازم ہوتا ہے، لیکن اگر دو قوموں سے متوسط طبقے کے افراد لیے جائیں، تو ان میں یہ فرق کم اور اعلیٰ طبقہ کے افراد میں زیادہ نظر آئے گا، اور اس موازنہ سے ثابت ہوگا کہ تمدن اور غیر تمدن قوموں میں صرف یہ فرق ہے، کہ تمدن قوم بہت سے روشن دماغ اور صاحب عقل افراد پر مشتمل ہوتی ہے، اور غیر تمدن قوموں میں ان افراد کا وجود نہیں پایا جاتا،

(۵) غیر تمدن قوموں کے افراد میں نہایت واضح طور پر مساوات پائی جاتی ہے، لیکن قوم جس قدر تمدنی حیثیت سے ترقی کرتی جاتی ہو اس قدر اس میں باہم فرق و امتیاز پیدا ہوتا جاتا ہے، اس لیے تمدن کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اقوام و افراد میں باہم امتیاز پیدا کر دیتا ہے، اس طرح وہ مساوات کے بجائے فرق مراتب قائم کرتا ہے،

(۶) قومی زندگی، اور تمدن کے تمام مظاہر قومی روح کا آئینہ ہوتے ہیں، جو اگرچہ ایک نہایت غفی شے کے عکس کو نمایاں کرتا ہے، تاہم اس کے وجود میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہو سکتا اس لیے غمازی و اذیت، ایک غفی قوت فاعلی کا پرتو ہوتے ہیں،

(۷) قومی زندگی کی بنیاد صرف اتفاق وقت، خارجی حالات، اور نظام حکومت پر قائم نہیں ہوتی، بلکہ ہر قوم کے نظام اخلاق پر ہوتی ہے،

(۸) چونکہ ہر قوم کے تمدنی عناصر اس کے مزاج عقلی کی دلیل ہوتے ہیں یعنی اون کے ذریعہ سے قوم کے احساس و شعور کی مخصوص کیفیت ظاہر ہوتی ہے، اس لیے جب تک کسی دوسری قوم میں کوئی تغیر نہ پیدا ہو جائے، ان عناصر کو اس میں منتقل نہیں کیا جاسکتا البتہ انکی سطحی اور ظاہری صورت کو منتقل کر سکتے ہیں، لیکن وہ درحقیقت کوئی قابل اعتداد چیز نہیں،

(۹) مزاج عقلی کے اختلاف کی بنا پر ہر قوم حقائق اشیاء کا تصور مختلف صورتوں میں کرتی ہے

اسی لئے ہر قوم جس عقل اور عمل میں دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، اور جبلت میں باہم کشمکش ہوتی ہے، تو تمام مسائل کے متعلق ایک عام نزع قائم ہو جاتی ہے، اور یہی نزع تمام تاریخی لڑائیوں کا سبب بن جاتی ہے، اس لحاظ سے حقیقت فاتحانہ لڑائیاں، مذہبی لڑائیاں، اور خاندان شاہی کی لڑائیاں، کل کی کل قومی لڑائیاں ہیں،

(۱۰) مختلف الاصل افراد کے بھید و حسد کوئی مستقل قوم نہیں بن سکتی، یعنی ان میں کوئی مشترکہ قومی روح نہیں پیدا ہو سکتی، البتہ ایک زمانہ دراز کے بعد جب انکی نسل میں اختلاط ہو جاتا ہے، ایک ہی آب و ہوا میں ان کو متحدہ طرز معاشرت کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوتا ہے، اور ان کے احساسات، فوائد اور عقائد متحد ہو جاتے ہیں، تو اس قسم کی روح پیدا ہو جاتی ہے،

(۱۱) متمدن قوموں میں اصلی (یعنی فطری) قومیت کا وجود نہیں پایا جاتا، بلکہ ان کی قومیت

بالکل مصنوعی ہوتی ہے، جو تاریخی حالات سے پیدا ہو جاتی ہے،

(۱۲) آب و ہوا، اور گریو پیش کے حالات کا اثر صرف جدید قوموں پر پڑتا ہے، یعنی ان سے صرف وہ قومیں متاثر ہوتی ہیں جن کا موروثی نظام اخلاقی مختلف قوموں کے اختلاط، اور باہمی توالد و تناسل سے درہم برہم ہو جاتا ہے، اسی لئے وراثت کو صرف وراثت ہی فاکر سکتی ہے لیکن اگر کسی قوم کا نظام اخلاق اس قدر مستحکم بنیاد پر قائم ہو کہ یہ چیزیں اس کو جنبش نہ دے سکیں تو آب و ہوا کے تغیرات کا اثر اس کے درہم برہم کرنے میں بہت کم کامیاب ہوگا، بلکہ بعض اوقات قدیم قومیں بالکل فنا ہو جاتی ہیں لیکن ان میں آب و ہوا کا اثر کسی قسم کا تغیر نہیں پیدا کر سکتا، (۱۳) ہر قوم اس وقت ترقی کے معراج کمال پر پہنچ سکتی ہے، جب اسکی متحدہ روح کا خمیرہ کامل طور پر پختہ ہو جائے، لیکن جب اس روح کا شیرازہ کھجوا جاتا ہے، تو اس قوم پر زوال آ جاتا ہے، اور اس روح کے فنا کرنے کا سب سے زیادہ موثر سبب قوم میں اجنبی عنصر کا

داخل ہونا ہے،

(۱۴) انواع نفسیہ، انواع مادیہ کی طرح زمانے کے اثر سے متاثر ہو کر لوڑھی ہو جاتی ہیں، اور

پھر مرنے جاتی ہیں، انکی تولید میں اگر جب ایک طویل زمانہ صرف ہوتا ہو، لیکن ان کے زوال کے لئے ایک نہایت مختصر اور محدود مدت درکار ہوتی ہو، کیونکہ زوال کے لئے قوم کے اعضاء و ارکان کا عملی اضطراب، کافی ہو، بلکہ اسکا ظہور کبھی کبھی فوری تباہی کی صورت میں ہو جاتا ہو، اس لئے سر قوم مزاج عقلی کے استحکام کے لئے طویل زمانے کی محتاج ہوتی ہو، لیکن اسکو نہایت قلیل مدت میں کھودیتی ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمدنی ترقی کی منزل نہایت دور، اور اوس کے زوال کا راستہ نہایت قریب ہو،

(۱۵) اخلاق کے بعد تمدن پر سب سے زیادہ گہرا اثر اصول تمدن کا پڑتا ہے، لیکن انکا عمل بتدریج شروع ہوتا ہو، یعنی وہ پہلے احساس بنتے ہیں، پھر نظام اخلاق کے اجزاء میں شامل ہوتے ہیں، اور اخیر میں مسلمات عامہ میں داخل ہو کر دائرہ بحث و تنقید سے نکل جاتے ہیں، ان مراحل کے طے کرنے کے بعد انکا نظام عمل مکمل ہو جاتا ہو، ہر تمدن کا سنگ بنیاد یہی مسلم الثبوت اصول ہوتے ہیں، اور ان پر بدلتوں میں زوال آتا ہو،

ان اصول میں بھی اختلاف مدارج ہو چنانچہ تمام اصولوں سے زیادہ تمدن پر مذہبی اصول کا اثر پڑتا ہو، اور تاریخ کے تمام عظیم الشان واقعات اختلاف مذاہب ہی کا نتیجہ ہیں، اس لحاظ سے انسان کی تاریخ کا سلسلہ معبودوں کے تاریخی سلسلہ سے ملا ہوا ہو، ان معبودوں کو اگر چہ ہمارے ہی دماغ نے پیدا کیا ہو، تاہم ہماری زندگی پر انکا بڑا اثر ہو، یہاں تک کہ صرف ان کے نام کے بدل دینے سے نظام عالم بدل جاتا ہو، ہر نئے معبود کا ظہور ہمیشہ نئے تمدن کا پیش خیمہ اور ان کا پردہ غیب میں چھپ جانا، ہمیشہ قدیم تمدن کے زوال کا مقدمہ الجھیش ثابت ہوا ہے،

مولانا فیض الحسن سہارنپوری کا عربی کلام صفحہ ۲۰۲

مولانا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں سودین

اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمعیل، اصحاب الرس،

اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور

عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث

۲۵۱ صفحے قیمت

سیرۃ عائشہؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے احوال، زندگی، قرونِ دہائی کی

خانہ جنگیوں کے اصلی اسباب اور ام المؤمنین کھنڈل

و مناتب و راویوں کے اجتہاد و اشکالات پر مفصل

تبصرہ صفحات ۳۵۶، ۳۵۷ صفحے قیمت

لغات جدیدہ، چارہزار جدید عربی الفاظ کی دکنشری

در و سلال و ب لڑائی کی پہلی یڈر طبع سوم مع ترمیم

دوسری یڈر طبع دوم، ۴۴

رسالہ اہل سنت و جماعت، فرقہ اہل سنت و جماعت کے

اصول و عقائد کی تحقیق، ۴۴

خلافت و رہنمائی، خلفاء اسلام اور مسلمانان

کے باہمی تعلقات کی تاریخ، آثار و فریضہ شاہی اور سکون کے

ذریعے سے تشریح و تفصیل، ۴۴

حیات امام مالکؒ، امام مالکؒ کی سوانح عمری اور

ادب کی موٹائے حدیث پر تبصرہ، ۴۴

بہادر خواتین اسلام، یعنی خواتین اسلام کی جنگی اور

بہادرانہ اخلاقی خدمات، ۴۴

مولانا عبد السلام ندوی

اسوہ صحابہ جلد اول، صحابہ کرام کے عقائد، عبادت

اور اخلاق کے پانچ اقسام مستند حوالوں سے جن کو پوچھ کر

آپ کو معلوم ہوگا کہ ادب کی زندگی کتاب و سنت کا

عملی نمونہ تھی، ضخامت ۲۵۰ صفحات قیمت

اسوہ صحابہ جلد دوم، جس سے یہ معلوم ہوگا کہ صحابہ کرام

نے اسلام کی سیاسی، مذہبی اور علمی خدمات کس

خلوص اور صداقت سے کیں، ضخامت ۲۵۰ صفحات

قیمت

مولوی عبد الباقی ندوی

برکے اور اوس کا فلسفہ، مشہور فلاسفہ برکے کے حالات

زندگی اور اوس کے فلسفہ کی تشریح جلد عام غیر جلد

مبادی علم تہانی، مادیت کی تردید میں برکے کی

مشہور کتاب پر پلسٹن فہیومن تاج کا تہایت فہمیدہ

اور سنجیدہ ترجمہ جلد

مذہب و عقلیات، اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ

مذہب و عقل میں تضاد امکان ہی نہیں، ۴۴

۴۴

مولوی عبد الماجد علی

تاریخ اخلاق یورپ، ایسکی کی رائل ہسٹری آف یورپ

کا ترجمہ حسین فلسفہ اخلاق پر مشتمل مباحث کے علاوہ یورپ کی

تاریخی خلائی رفتار کی شرح کی ہر جگہ اول سے جلد دوم

کیا لکھا ہے، اس کے لئے ڈاکٹر کی ترجمہ اول

ایضاً

مولوی محمد یونس فرنگی علی

روح الاجتماع، موسیٰ لبیان کی کتاب جامعہ

انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ یہ کتاب پنجاب

اردو آنرز کورس میں داخل کی گئی ہے ۱۳۲۴ء صفحہ ۱۲

متفرق کتابیں

الاستدلال، اس میں علم منطق کے اصول نہایت

خوبی و عمدگی کے ساتھ سلیس زبان اور سہل طریقہ سے

بیان کئے گئے ہیں، ۱۰۱ صفحات، ۱۲

الانسان، اس میں انسان کے تمام توانا نفسانی و جسمانی

اور خصوصیات طبی کی علمی تشریح کی گئی ہے ۱۲۱ صفحات

قیمت

میکات بھوپال، مصور و جلد

گیارہ حصے، اخلاقی، سماجی، و مذہبی

نعت پیمیر، عربی، فارسی، اردو کی چند نعتیں نظم

رموز فطرت، طبقات، طبقات، ارض ہیئت اور

جغرافیہ طبی کے ابتدائی مسائل عام فہم اور سلیس

عبارت میں، قیمت

انسان، علم خواص الاعضاء کے ابتدائی مسائل

سلیس و عام فہم زبان میں قیمت

حقائق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی

تشریح، قیمت

تذکرہ انجیل، یعنی رسول اللہ صلیم کے اخلاق کا

مفصل بیان، قیمت

معارف الدین، جدید علم کلام پر ایک مختصر تصنیف

اور فلسفہ جدید اور مذہب کی باہمی تفسیر پر بہترین

تبصرہ، قیمت

تاریخ صحف سماوی، تورات انجیل و قرآن مجید کی

جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام

کے اعتراضات دربارہ جمع قرآن کا جواب

قسم اول ہے

قسم دوم

شمع سخن، پروفیسر نواب علی کی اخلاقی، قومی اور

فلسفیانہ نظموں کا مجموعہ، قیمت

حکمت علمی، قدیم و جدید فن اخلاق پر ایک پوسٹوٹ

تصنیف، قیمت

نیچر

محمد علی قیوم